سہ ماہی

نقوشِ راہ

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں



20/-



فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گاؤں (جو کہ مدینہ کے اطراف میں بلندی پر واقع ہے) سے آتے ہوئے (مدینہ طیبہ کے) بازار سے گزر ہوا کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹے کان والے بکری کے مردہ بچے کو پڑا دیکھا تو اسے کان سے پکڑ کر حاضرین سے سوال کیا تم میں سے کون ہے جو اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے؟ انہوں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی لینا پسند نہیں کرتے، یہ ہمارے کس کام آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا (نہیں بلکہ) تم اسے اپنے لئے پسند کرتے ہی ہو۔ انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم! اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو معیوب ہونے کی وجہ سے خریدنے کے لئے موزوں نہ تھا اب تو یہ کانوں کے عیب کے باوجود مردہ بھی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا خدا کی قسم! اللہ کے نزدیک دنیا اس سے زیادہ حقیر اور بے وزن ہے جتنا یہ مردہ بچہ تمہاری نگاہ میں بے وزن اور حقیر ہے۔ (مسلم عن جابر بن عبداللہ کتاب الزھد)

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

سہ ماہی

نقوش راہ

Issue:01 Volume:01

جلد:01 شمارہ:01

فہرست مضامین

مدیر اعلیٰ:
محمد جمیل

مدیر:
محمد نصر اللہ حسنی قادری

مجلس ادارت:
سید ریحان البناء
نثار احمد خان
کاشف جمال خان
خالد سیف اللہ

April, May, June 2016

اپریل، مئی، جون 2016 رجب المرجب، شعبان المعظم، رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ

زرتعاون
فی شمارہ: 20/
سالانہ: 80/

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، شیخ نثار شیخ چاند نے سوپر پرنٹنگ پریس مومن پورہ آکولہ سے چھپوا کر پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ سے شائع کیا ہے۔

اداریہ

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

محمد جمیل

نقوشِ راہ کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ شمارہ جنوری میں آنا تھا لیکن بعض مصروفیتوں اور کچھ مجبوریوں کی وجہ سے تاخیر ہوتی گئی اور بالآخر اپریل آ گیا۔ بہر حال، اللہ پاک کا بے پایاں کرم و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائی اور آپ لوگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ یہ ٹوٹی پھوٹی کوشش آپ کے سامنے پیش ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذلک۔

عزیز تحریکی ساتھیو! اللہ رب العزت نے عظیم مقصد کے تحت ہمیں پیدا کیا ہے۔ وہ مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ آج ہم بلکہ امت مسلمہ اس مقصد سے غافل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا رشتہ خالق حقیقی سے بہت کمزور ہو چکا ہے اور شیطان کا حملہ تیز ہو چکا ہے۔ شیطان کے حواری ہر سمت اپنے کارہائے بدانجام دینے میں مصروف ہیں۔ اس کا شکار سب سے زیادہ طلبہ و نوجوان ہیں۔ کیمپس و کالج جہاں اخلاق حسنہ کے سوتے پھوٹتے تھے، آج وہی ہر طرح کی بے حیائی و برائی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ جہاں تعلیم کا مقصد تربیت و تہذیب ہوا کرتا تھا، آج اس کا مقصد محض ڈگری حاصل کرنا ہو گیا ہے۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ آج بے حیائی و برائی کرنا اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں۔ ایسے میں ہماری ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ ہمیں خود بھی بدی کے کاموں سے بچنا ہے اور نئی نسل کو بھی بچانا ہے، نیز اسے شیطان کے مکر و فریب سے بھی باخبر کرنا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ایک طرف تو یہ ہے، دوسری طرف دنیا میں زر پرستی و ہوس پرستی کا بازار گرم ہے، یہاں تک کہ مقصدِ عظیم سے وابستہ ہمارے بعض ساتھی بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہماری اس کمزوری کا فائدہ شیطان اور اس کے حواری اٹھا رہے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ منظّم ہو چکے ہیں، ساری انسانیت کا سکون غارت کر چکے ہیں اور اسے ظلم و جبر کی چکی میں پیس رہے ہیں۔ چناں چہ پوری انسانیت کسی حقیقی نجات دہندہ کی منتظر ہے کہ وہ آئے اور ساری بیماریوں کا مداوا کرے، حقیقی آزادی دلائے اور امن و انصاف قائم کرے۔ حقیقی فلاح و نجات کا نسخۂ کیمیا صرف اور صرف اس خیر امت کے پاس ہے لیکن یہ امت خصوصاً اس کے نوجوان اس نسخۂ کیمیا کو بُھلا بیٹھے ہیں، دنیا کی محبت اور موت کے خوف نے ان کے دلوں میں اپنی جگہ بنا لی ہے، نتیجۃً وہ اپنے ایمان کے سودے کرنے لگے ہیں، تھوپی جا رہی باطل تہذیب کو بہ آسانی قبول کرنے لگے ہیں، حکمت و مصلحت کے نام پر عزیمت کی ہر راہ سے جی چرانے اور رخصت کی ہر راہ کو اپنانے لگے ہیں۔ افسوس اس وقت شدت اختیار کر لیتا ہے جب اس طرح کا درس امت کے قائدین دینے لگتے ہیں۔

ان حالات میں ایسے پُرعزم طلبہ و نوجوانوں کی ضرورت ہے جو اپنے مقصدِ وجود سے واقف ہوں، صبغۃ اللہ میں رنگے ہوئے ہوں، نقوشِ صحابہ پہ چلنے میں ہر قسم کے خوف و حزن سے بے پرواہ ہوں، صبر و استقامت کے پیکر ہوں، عزیمت و جواں مردی کا کوہِ گراں ہوں، شہادتِ حق اور خیرِ امت کا کردار نبھانا چاہتے ہوں، وقت کا دھارا موڑنے اور طوفان سے ٹکرا جانے کا داعیہ اپنے اندر رکھتے ہوں، اللہ کی رضا کی خاطر دوستی و دشمنی کرتے ہوں، جان بچانے سے زیادہ ایمان بچانے کو ترجیح دیتے ہوں، عارضی مستقبل کے بجائے حقیقی مستقبل کے لیے ہر وقت اپنی صلاحیت اور جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار رہتے ہوں۔

اللہ پاک ہم تمام کو ایسے نقوش راہ کا راہی بنائے۔ آمین۔

شانِ مومن

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ . ٥ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ . ٥ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ. ٥(انفال)

’’پکے اور سچے ایمان والے تو بس وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی (اللہ کی) آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں (سنائیجاتی ہیں) تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں۔ اور اپنے رب پر ہی وہ اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں ۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۔ بلاشبہ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس بڑے مرتبے ہیں بخشائش ہے اور عمدہ رزق‘‘۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں تمہارے لئے کچھ بلندیاں ہیں تو تم ان بلندیوں تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کرو ہر چیز کا ایک معیار ہوتا ہے جس کے ذریعہ خوبیوں ،خامیوں اور کیفیتوں کا صحیح صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ ایمان کی بھی ایک بلندی ہے، ایک معیار ہے جس کے ذریعہ کامل الایمان لوگوں کی کیفیت معلوم ہوتی ہے ۔ مذکورہ آیت کریمہ اسی طرح کے ایمانی معیار کو قائم کرتے ہوئے یہ بتا رہی ہے کہ سچے اور پکے اہل ایمان کا اندرون اور بیرون کیسا ہوتا ہے۔ مومن کی سب سے بڑی اور اولین شان یہ بتائی کہ اللہ کہ ذکر کے وقت اس کا دل دہل جاتا ہے ۔ اللہ کے ذکر سے مراد اللہ کی ذات اور صفات کا تذکرہ ہے۔ سیاق وسباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں بالخصوص اللہ تعالیٰ کی جمالی صفات کا تذکرہ مراد ہے۔ کیونکہ پیچھے ’’انفال‘‘ یعنی عطا اور بخشش کا تذکرہ ہے۔ مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے اردگرد اللہ تعالیٰ کی عطاء وعنایات کا ماحول دیکھتا ہے، اس کا ادراک کرتا ہے کہ اللہ نے اسے ایمان وعمل کی دولت سے بہرہ مند فرمایا ہے اسے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے قربانیوں کا حوصلہ دیا ہے اور مخالفتوں کے شدید ماحول میں صبر وثبات بخشا ہے تو اس پر فرطِ تشکر سے جھرجھری طاری ہوجاتی ہے، اس کا دل مچل جاتا ہے جیسا کہ اسی سورہ میں اس کا تمثیلی تذکرہ ہے۔ ’’اور وہ وقت یاد کرو جب تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ اور تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا، اپنی مددگاری سے قوت بخشی اور اچھی چیزیں دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا تاکہ تم شکر گزار رہو۔‘‘ (انفال ۲۶) اور ہم جانتے ہیں کہ قدردانی کا معاملہ اور شکر گزاری کا رویہ ہی بقائے نعمت کا بھی ضامن ہے اور اسی سے ازدیادِ نعمت کی دولت بھی ملتی ہے چنانچہ فرمایا ’’اگر تم قدردانی اور شکرگزاری کا معاملہ کروگے تو میں تمہیں مزید دونگا‘‘۔

مومن کی دوسری شان یہ بتائی ہے کہ جب اس کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں ،سنائی جاتی ہے تو ان کا ایمان بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں آیات سے مراد آیات جہاد ہیں ،مطلب یہ ہے کہ بندہ مومن کے سامنے جب اللہ کے طرف سے احکام جہاد اور راسکی آیات پہنچتی ہیں تو اس کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ غزوہ احزاب کے موقع پر جب اللہ کے رسولؐ کے پیارے اور جیالے ساتھیوں نے کفار کے لشکروں کے ہجوم اور ان کے عساکر کی یلغار کو دیکھا تو ٹھیک یہی کیفیت ان کے اندر پیدا ہوئی یعنی وہ گھبرائے نہیں یوں گویا ہوئے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کی خبر ہمیں دی گئی تھی ،جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا وعدہ سچا تھا، ان کی خبر یہی تھی اور لشکرکشی کے اس منظر نے ان کے ایمان کو جلا بخشا ،اسے دوچند کر دیا اور اس سے ان کے جذبہ فداکاری وفا شعاری اور خودسپردگی میں اضافہ ہوا۔

مومن کی اسی کیفیت کی تصویر کشی ایک اور جگہ قرآن یوں کرتا ہے کہ " یہ وہ لوگ ہیں جن سے بعض آدمی کہتے تھے تم سے جنگ کرنے کے لئے دشمنوں نے بہت بڑا گروہ اکٹھا کر لیا ہے ، پس چاہیے کہ ان سے ڈرتے رہو (اور مقابلے کے لئے باہر نہ نکلو) لیکن (بجائے اس کے کہ یہ بات سن کر وہ ڈر جاتے) ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہوگیا۔ وہ بول اٹھے ہمارے لئے اللہ کا سہارا کافی ہے اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا اس کا کارساز ہے۔ (آل عمران ۱۷۳)

اس کے بالمقابل منافق کا حال آیات جہاد سننے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کا تذکرہ قرآن میں یوں ہوا ہے۔ " مگر جب ایک پختہ سورت نازل کردی گئی جس میں جنگ کا ذکر تھا تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو، افسوس ان کے حال پر۔" (محمد ۲۰) اسی طرح سورہ نساء میں بھی ان کی یہی تصویر ہے " تو جب ان پر جنگ واجب کردی گئی تو ان میں سے ایک گروہ کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس طرح ڈر رہا ہے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ کچھ اس سے بھی سوا" (نساء ۷۷)

مومن کی تیسری شان یہ بتائی کہ وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں یعنی حالات سرد ہوں یا گرم ، حکم سخت ہو یا نرم ، سودا نفع کا ہو یا نقصان کا ، معاملہ کھونے کا ہو یا پانے کا ، صورت حال قربانیوں کی ہو یا بخششوں کی ، ہر حال میں یہ بندہ خدا بس اپنے آقا پر ہی اعتماد کرتا ہے اور اسی کے بھروسے پر حکم کی بجا آوری کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس میں لیت ولعل سے کام نہیں لیتا اور اپنے آپ کو مالک کی مرضیات کے حوالے کر دیتا ہے۔

یہی تیسری صفت ہی وہ بنیاد ہے جس کی بنا پر پچھلی دونوں صفتیں جلوہ گر ہوتی ہیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد اور پورا بھروسہ نہ ہو تو پھر آدمی کیونکر قربانیاں دے گا۔ یہ ہے پکے اہل ایمان کے اندرون کا حال، ان کے دل کی دنیا ایسی ہوتی ہے۔ اب آخری اور چوتھی صفت اور شان کا تذکرہ ہے کہ وہ اقامت صلوۃ اور انفاق پر کاربند ہیں۔ یہ ان کے بیرون کا ذکر ہے، انکی پیکری منظر کشی ہے۔ آخر میں ان دو اعمال کا تذکرہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اہتمام صلوۃ اور انفاق جہاں اندرون کی کیفیات مذکورہ کا مظہر ہیں وہیں ان باطنی کیفیات کی جامع اور محافظ بھی ہیں۔

مذکورہ چار صفات جن اہل ایمان کے اندر پائی جاتی ہیں فی الواقع وہی لوگ سچے اور پکے مومن ہیں یعنی اگر دعوی ایمان کے ساتھ یہ صفات موجود نہ ہوں تو پھر وہ دعوائے محض ہے جس کا نہ اعتبار ہوگا اور نہ اس کو صلے و بخشش کی امید ہونی چاہیے۔

ان کے لیے ان کے اس رب کے پاس جس پر انہوں نے توکل کیا، جس کے ذکر کی لذت سے محظوظ ہوئے، جس کی آیات سے ان میں کیفیت کا نیا رنگ پیدا ہوا ۔ جس کے لیے سر نیاز خم کیا، مال ومنال اور صلاحیتوں کو لگایا کھپایا۔ ان کے لئے مرتبے ہیں درجے اور رتبے، ان کا رب انہیں اپنی جناب سے ایک شان امتیاز بخشے گا۔ مغفرت ہے، خطاؤں کی پردہ پوشی ہے، کمیوں وخامیوں سے تطہیر ہے، معایب سے صرف نظر ہے۔ عمدہ رزق ہے یعنی بہترین عطا و بخشش ہے بہترین رزق سے مراد جنت ہے یعنی ان کے لئے جنت منتظر ہے اور جنت سے بڑھکر ہماری اور کیا آرزو ہوسکتی ہے ۔ حضرت حسنؓ سے کسی نے پوچھا کیا آپ مومن ہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا ایمان دو طرح کا ہے اگر تم ایمان **باللہ و ملائکہ و کتبہ ورسلہ والیوم الآخر والجنتہ والنار والبعث والحساب** کے بارے میں معلوم کرر ہے ہو تو اس اعتبار سے میں ضرور مومن ہوں لیکن اگر تم **انما المومنون** والے مومن کے بارے میں سوال کرر ہے ہو تو مجھے نہیں معلوم کہ میں ان لوگوں میں آتا ہوں کہ نہیں۔

یہ آیتیں ہمیں جائزہ اور احتساب کا اچھا موقع بہم پہنچاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی روشنی میں ہم اپنے آپ کو سنوار سکیں آمین۔

اقیمو الصّلوٰۃ

مفتی حبیب قاسمی

جب وہ نماز پڑھتا تو بڑا ڈوب کر پڑھتا تھا میں اس کی نماز سے بہت متاثر تھا ،نماز میں اس کے چہرہ کو دیکھنے سے لگتا کہ ایک غلام اپنے آقا کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے اور رکوع میں جاتا تو ایسے لگتا جیسے اس نے واقعی اپنے وجود کو جھکا دیا ہے مجھے اس کی نماز کا انتظار رہتا کبھی کبھی مجھے اس کی نماز کو دیکھنے کی ایسی بے چینی ہوتی کہ میں اس سے پوچھتا ’’نماز کتنی دیر میں پڑھو گے‘‘۔نماز کے طریقہ اور اس کے صرف ظاہری ڈھنگ نے مجھے اسلام کی طرف کھینچ لیا۔(یہ اظہارِ خیال کیا ہے بلاسپور چھتیس گڑھ کے ایک آئی ٹی انجینئر انل ٹھاکر نے جواب وسیم احمد ہیں ،ایک مسلم نوکر کو نماز پڑھتا دیکھ کر اسلام میں آگئے)۔

نماز مومن کی معراج ،نماز آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نیز نماز دین کا ستون ہے ،یہی وجہ ہے کہ خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں تمام گورنروں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں میں اہم اور ضروری کام نماز ہے۔جو نماز کو وقت میں ادا کرنے والا ہوگا وہ ہر کام کو اس کے وقت میں پورا کریگا ۔

دور رسالتؐ اور دور صحابہؓ میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مومن اور نماز نہ پڑھے۔کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔اسی وجہ سے دورِ رسالتؐ میں منافقین بھی نماز میں آنے کے لئے مجبور تھے ،آج ہم نے نماز کو انتہائی معمولی چیز سمجھ لیا ہے پڑھ لیا تو پڑھ لیا نہیں تو کوئی بات نہیں وقت ملا تو پڑھ لیا ،دل کیا تو پڑھ لیا۔شیطان جو ہمارا ازلی دشمن ہے جو ’’عدو مبین‘‘ ہے جو ہمارے رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے ،وہ کبھی نہیں چاہتا کہ ہم اپنے مالکِ حقیقی کو سجدہ کریں ۔نماز اللہ کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ ہے نماز میں ہم اللہ سے ملاقات کرتے ہیں چنانچہ حضورؐ اکرم فرماتے ہیں :تم میں سے جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے۔(بخاری)

میرے بھائیو!مومنوں کی کامیابی وکامرانی خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے میں رکھی گئی ہے۔محض جسم سے نہیں بلکہ دل سے نماز پڑھیں ،تو ہمیں نماز میں سب کچھ ملے گا ۔قیامت میں سب سے پہلے جس عمل کے محاسبہ ہوگا وہ ماز ہے ،‰ضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا : قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے متعلق پوچھا جائے گا۔

نماز بے حیائی اور برائی سے روکنے والا نسخہ کیمیا ہے لیکن آج ہماری نماز بے اثر ہوگئی ہے ،نماز کی اہمیت کا اندازہ ہم اس سے بخوبی لگاسکتے ہیں کہ پچھلی تمام شریعتوں میں نماز کا عمل ہم کو ملتا ہے۔دورِ صحابہؓ میں اگر کوئی جماعت میں شریک نہ ہوتا تو اسکی سرزنش کی جاتی ،حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو جماعت میں نہ پایا تو اس کے گھر گئے اور ترک جماعت کا سبب دریافت کیا ،......میں بیمار ہوں آپؓ کی آواز سن کر مشکل سے یہاں تک آیا ہوں اپنا عذر یہ پیش کرتے ہوئے اس شخص نے جواب دیا۔میری آواز کی کیا حیثیت کیا تم نے حی علی الصلوۃ اور حی الفلاح کی صدا سنائی نہیں دی حضرت عمرؓ نے غصہ سے پوچھا۔اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اور کچھ لوگوں کو تنبیہ کی کہ اگر آئندہ جماعت چھوٹی تو میں کچھ لوگوں کو یہ ذمہ داری دونگا کہ وہ تمہاری گردنیں ناپ کر لائیں۔

خود نبیؐ نے ترک جماعت پر شدید غصہ کا اظہار کیا ہے کہ میرا دل کرتا ہے کہ ان لوگوں کے گھروں کو جلادوں جو جماعت سے غیر حاضر رہتے ہیں۔حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں مجھے آپؐ نے ہدایت کی تھی کہ قصداً نماز نہ چھوڑنا ورنہ اللہ کا ذمہ ٹوٹ جائے گا۔اور حضورؐ کی حدیث ’’ہمارے اور کافروں کے درمیان عہد نماز ہے جس نے اسے چھوڑ دیا اسی نے کفر کیا۔‘‘(ابن ماجہ،نسائی،ترمذی)

اللہ نے جہاں کہیں نماز کا حکم دیا ہے وہ نماز کو قائم کرنا ہے ’’ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ۔(سورہ نساء ۱۰۳)

لہذا نماز قائم کرو، یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقت پر لازم ہے۔ نماز کے قائم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسجد ہو، امام ہو، پنج وقتہ نماز وہاں ادا کی جاتی ہو، جمعہ کا قیام ہو جماعت کی پابندی ہو، تبھی اسے اقامت نماز کہیں گے۔

معراج کے موقع پر آپؐ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سر پتھر سے توڑے جا رہے ہیں اور پھر درست ہو جاتے ہیں آپؐ نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ کیا ماجرا ہے آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ نماز میں سستی اور غفلت برتنے والے تھے۔ اس قدر شدید وعید کے بعد بھی ہم نماز چھوڑنے کی جرأت کریں گے۔ جہنمیوں سے پوچھا جائے گا ،کس چیز نے تم جہنم میں ڈالدیا ،جہنمی کیا جواب دیں گے ''ہم نمازی نہیں تھے۔(مدثر ۴۳)

آج اللہ کے دین کی حیثیت محض وعظ و تلقین کی رہ گئی ہے جو عمل کرنا چاہتا ہے کرتا ہے ،نہیں کرنے والے سے کوئی حضرت عمرؓ کی طرح پوچھنے والا نہیں ہے ،درّہ مارنے والا نہیں ہے کہ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔

قاضی شرعی کے صاحبزادہ نے جب عصر کی نماز جماعت سے نہ پڑھی تو قاضی شریح نے اپنے بیٹے کو ان کے استاد کے پاس بھیجا کہ اسے درّہ سے پٹائی کیجئے اور تین دن کے لئے قید میں رکھیے۔

ہر فرض نماز کی پابندی مسلمانوں پر ضروری ہے لیکن احادیث میں خصوصی طور پر عصر اور فجر کی نماز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں پڑھتا ہے وہ جنت میں جائیگا۔ شارحین حدیث نے دو ٹھنڈی نماز سے فجر اور عصر کی نماز مراد لی ہے۔ (بخاری، مسلم) نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا ابوہریرہؓ سے مروی ہے میں نے آپؐ کو فرماتے سنا کہ جو شخص بھی سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے یعنی فجر اور عصر کی نماز پڑھتا ہے وہ ہرگز جہنم کی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم) فجر کی نماز ادا کرنے کے لئے نیند کی قربانی دینی ہوتی ہے اسی لئے آپؐ نے خصوصی طور پر فجر کی نماز کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر ہم اللہ کی رضا اور پیارے نبی کی صحبت و سفارش چاہتے ہیں تو نماز کی پابندی کرنے والے بنیں۔ اللہ تعالیٰ تمام ہی مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

استحضارِ آخرت

اقامتِ دین کے اگلے قائدین وتبعین کی زندگیاں سراپا خشیتِ الٰہی اور انابت الی اللہ کی زندگیاں تھیں اور یہی وہ برقی روتھی جس نے انھیں زندگی کے آخری لمحے تک اللہ تعالیٰ کی والہانہ اطاعت میں سرگرم رکھا۔ انہوں نے اقامتِ دین کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی اور جب دین پوری طرح قائم ہوگیا تو اسے قائم رکھنے میں جان کھپادی۔ اللہ کی عظمت ،اس کا جلال ،عذابِ آخرت اور یوم الحساب کی ہولناکیوں کا تصور ان کے دل و دماغ پر چھا گیا اور ان کے رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا۔ اس چیز نے ان کے دلوں کو نرم اور رقیق بنادیا تھا۔ وہ قرآن پڑھتے یا سنتے تو سسکیاں لینے لگتے۔ ان کے سینے سے ایسی آواز نکلنے لگتی جیسے آگ پر ہانڈی پک رہی ہو۔ وہ قبریں دیکھتے تو اتنا روتے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ وہ میدانِ جنگ میں حیدر کرار تھے لیکن تنہائیوں میں خدا کے خوف سے اس طرح کانپتے ،تلملاتے اور بے چین ہوتے جیسے انھیں بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ صداقت و دیانت و امانت میں صدیق ہوتے لیکن چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو کہہ اٹھتے: اے کاش! میں بھی کوئی چڑیا ہوتا کہ آخرت کے حساب کتاب سے بچ جاتا۔ وہ جب بازاروں کی نگرانی اور حکومت کے انتظام کے لئے نکلتے تو ان کے ہاتھوں میں درّہ ہوتا جس سے بڑے بڑے بہادر تھرّاتے لیکن جہاں وہ کسی مصیبت زدہ کو دیکھتے تو اس وقت تک انھیں چین نہ آتا جب تک اس کی مصیبت دور نہ ہو جائے۔ ان کی حکومت نیابتِ الٰہی کا اعلیٰ نمونہ تھی لیکن ان کے احساس کا حال یہ تھا کہ وہ اس بات سے ڈرتے کہ کہیں کوئی کوتاہی وبال نہ بن جائے اس چیز نے خلفائے راشدین کو خلفائے راشدین بنایا اور اسی چیز نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ راشد کا مقام عطا کیا۔ ایمانی و روحانی زندگی کے اس پہلو سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے، اور صحیح احادیث بھری ہوئی ہیں۔

رمضان، حالاتِ حاضرہ اور ہماری ذمہ داریاں

ڈاکٹر وجیہ القمر فلاحی

قیامت اور قریب آچکی ہے، اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کی اکثریت خود اسلام سے دور ہو چکی ہے، اسلام اجنبیت کے دور میں دوبارہ داخل ہو چکا ہے، اسلام دشمن طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے متحد ہو چکی ہیں، فتنے دن بہ دن بڑھتے اور گھٹا ٹوپ ہوتے جا رہے ہیں، امن و سکون روز بہ روز غارت ہوتا جا رہا ہے، پوری دنیا کے حالات بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے ہیں، طاقتور ممالک کمزور ممالک کو دبا رہے ہیں، دہشت گردی کے نام پہ اسلام، مسلم ممالک اور مسلمانوں کو ختم کیا جا رہا ہے، عالم اسلام پورا خاموش تماشائی بنا ہوا ہے یا پھر یہود و ہنود کے ساتھ کھڑا ہے الا ماشاء اللہ، افغانستان و عراق کو برباد کر کے سرزمین انبیاء شام کو لہولہان کر دیا گیا ہے، فلسطین کے نہتے معصوموں کے خلاف روزانہ کچھ نہ کچھ کارروائی ہوتی رہتی ہے، اپنوں کی سادگی اوروں کی عیاری نے عالم اسلام کے تار و پو بری طرح بکھیر دیے ہیں، بہ قولِ رسولِ صادق دنیا کی محبت اور موت وشہادت سے خوف نے مسلمانوں کی حیثیت سمندر کے جھاگ جیسی بنا دی ہے۔ خود ہمارے ملک بھارت کے حالات بھی بہت تبدیل ہو چکے ہیں، پتہ نہیں رمضان کے آنے تک حالات اور کس قدر تبدیل ہوتے ہیں، انسانیت کے دشمن یہودیوں کے انتہائی قریبی سنگھی حکومت اپنے خاص نظریہ کو بھارت کے مسلمانوں پر تھوپنے کے لیے ہمیشہ نت نئی تیاریاں اور پلاننگ کرتی رہتی ہے۔ ورزش اور صحت کے نام پہ خالص ہندوانہ مذہبی عمل یوگا کو تھوپنے کی کوشش کی گئی، گائے کے ذبیحہ پہ پابندی لگائی گئی، بم دھماکے تو رک گئے ہیں بلکہ روک دیے گئے ہیں لیکن فرقہ وارانہ فسادات پوری منصوبہ بندی کے ساتھ کرائے جا رہے ہیں، فرقہ وارانہ منافرت کے بیج بونے کے ساتھ ساتھ اس کی فصل کاٹنے کی تیاری پورے زور وشور سے کی جا رہی ہے، اتحاد امت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے مسلکی اختلافات کو ہوا دی جا رہی ہے، مسلمانوں کو باہم لڑانے کے لیے میٹنگیں اور مذموم منصوبہ بندیاں کی جا رہی ہیں، سیکولرزم کا نام لے لے کر مسلم پرسنل لاء پہ بار بار کسی نہ کسی بہانہ سے حملے کیے جا رہے ہیں، مشرکانہ نعرے لگانے پر مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کو مجبور کیا جا رہا ہے، وطن پرستی کو ہوا دی جا رہی ہے، بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کے لیے ایک خاص انداز و رفتار سے ناپاک منصوبہ بند کوششیں کی جا رہی ہیں اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا پختہ ارادہ کر لیا گیا ہے۔ مسلم قیادتیں یا تو خاموش بیٹھی ہیں یا پھر خوف کے مارے حکمت کے نام پہ سب کچھ دھیرے دھیرے قبول کرنے کو تیار بیٹھی ہیں، اصل مقصد حیات سے امت وانسانیت کو واقف کرانے کے بجائے خود اس سے غافل ہیں، بنیادی مسئلہ کو حل کرنے بجائے فروعی مسائل کو حل کرنے کی ناکام کوششیں کر رہی ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کے بجائے زیادہ Focus عوامی فلاح و بہبود کے کاموں کو کر رہی ہیں، امت اور اس کے نوجوانوں کو عزیمت وحوصلہ دینے کے بجائے ہمیشہ رخصت و سہولت کا درس دے رہی ہیں۔۔۔۔لیکن ان تمام کے باوجود رسول صادق و مصدوق کی پیشین گوئی کے مطابق خلافت علی منہاج النبوۃ کا قیام پھر سے ہوگا۔

مشورے و عملی کام:

☆ رمضان کی پہلی رات آتے ہی ہم مسجد سے اپنا تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط کریں۔ عشاء کی اذان ہوتے ہی مسجد کا رخ کریں، سنت پڑھیں، ذکر و دعا کریں، تلاوت کریں، پھر یہ احساس کریں کہ اللہ پاک کو ہم اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ان احساسات کے ساتھ فرض نماز اور تراویح پڑھیں۔ اور اسی اہتمام کے ساتھ اپنی ہر نماز ادا کریں۔

تراویح ایسی مسجد میں پڑھنے کی کوشش کریں جہاں ٹھہر ٹھہر کر بہتر انداز میں تلاوت کی جاتی ہو۔☆تراویح کے بعد تراویح میں پڑھی جانے والی سورتوں کا خلاصہ سننے سنانے کا اہتمام کریں تا کہ عوام بھی قرآن کے پیغام کو سمجھ سکے۔

☆عشاء بعد یا تو عبادت کریں یا پھر جلد سوجائیں تا کہ سحر کے وقت بیدار ہوسکیں۔

☆سحر کے وقت تھوڑا پہلے بیدار ہوں، تہجد کا اہتمام کریں، اللہ کے حضور دو چار آنسو کے قطروں کا نذرانہ پیش کریں کہ یہ قطرہ اور اللہ کی راہ میں بہنے والے خون کا قطرہ اللہ پاک کو بہت محبوب ہے۔

☆سحری میں کچھ نہ کچھ ضرور کھائیں کہ اس میں اللہ پاک نے برکت رکھی ہے، لیکن اتنا زیادہ نہ کھا لیں کہ دن بھر کھٹی ڈکار آتی رہے۔زیادہ کھانے سے روزہ کا مقصد فوت ہوجاتا ہے کہ روزہ بھوک کا احساس بھی دلانا چاہتا ہے۔ حدیث کے مطابق مومن کے لیے بہترین سحری کھجور ہے۔ہم اگر ۵ تا ۷ کھجور سحری میں کھالیں تو وہ دن بھر کے لیے کافی ہوجائے گا۔سائنسی تحقیق کے مطابق انسان کو اپنی توانائی برقرار رکھنے کے لیے جتنی Calories کی ضرورت ہوتی ہے وہ کھجور میں موجود ہوتی ہیں۔

☆ویسے تو پورا ماہ رمضان ہی دعا کی قبولیت کا زمانہ ہے لیکن اس میں بھی سحر و افطار کے وقت، اذان و اقامت کے دوران، عصر و مغرب کے دوران، جمعہ کے دن، تراویح کے وقت، آخری طاق راتوں میں اس کا اہتمام ضرور کریں کہ ان اوقات میں دعا رد نہیں کی جاتی۔کسی بیماری یا مصیبت میں مبتلا ہیں تو ضرور اللہ پاک سے نجات کی دعا مانگیں۔اپنے لیے، امت کی سربلندی کے لیے دعا کرنا نہ بھولیں۔اللہ کی خاطر دعوت و جہاد کرنے والوں، شہادت سے سرفراز ہونے والوں، اللہ کی راہ میں قید کیے جانے والوں کے لیے خصوصی دعائیں کریں۔اللہ کے رسول ﷺ تو قیدیوں کا نام لے لے کر ان کی رہائی و مدد کی دعائیں کرتے تھے۔

☆فجر بعد اکثر لوگ سوجایا کرتے ہیں جو کہ درست نہیں۔اس سے سستی آتی ہے۔کوشش کریں کہ سورج نکلنے کے بعد سونا ہو۔

☆ کچھ لوگ رمضان کے ایام میں اپنے کام کاج میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ درست نہیں۔کالج جاتے ہیں تو تاخیر سے، نوکری پہ جاتے ہیں تو کام صحیح سے نہیں کرتے، یہ سب چیزیں اسلام کی شبیہ کو خراب کرتی ہیں۔ہمیں اس طرح کی حرکتوں سے اجتناب کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔

☆ایسے کالج، کیمپس یا مقامات جہاں پہ مخلوط ماحول ہے، وہاں سے بچنے کی پوری کوشش کریں الا یہ کہ وہاں جائے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔اور اگر مجبوراً جانا بھی ہو تو اختلاط سے پرہیز کریں، اور اپنے روزے کو شیطان کے حملے سے بچائیں۔اللہ پاک کا بڑا احسان ہے کہ یہ رمضان چھٹیوں میں آرہا ہے۔ہمیں یہ موقع بہت غنیمت جان کر خوب خوب استفادہ کرنا چاہیے۔

☆اگر کلاس وغیرہ ہو تو خالی Periods میں اللہ اور آخرت کو یاد دلانے والی کوئی کتاب پڑھیں، ذکر کریں، دعاء کریں، تلاوت کریں اور اس طرح اپنے اوقات کو صحیح انداز سے استعمال کریں۔

☆اگر موقع میسر ہو تو کلاس، مسجد، ہاسٹل وغیرہ میں درس قرآن، درس حدیث یا کم از کم ایک آیت یا ایک حدیث اور اس کا ترجمہ سننے سنانے کا اہتمام کریں۔

☆اسلامی بہنیں حجاب کا مکمل خیال رکھیں۔اگر عذر شرعی ہو تو کھلے عام کھانے پینے سے احتراز کریں۔

☆اگر کسی مسلم بھائی کو رمضان میں کھاتے پیتے دیکھیں تو اسے اللہ اور آخرت کی یاد دلائیں، جہنم کی خطرناک سزا سے اسے آگاہ کریں اور حکمت و موعظت کے ساتھ اسے نصیحت کریں۔

☆Social sites بالخصوص واٹس ایپ وغیرہ پہ زیادہ وقت دینے سے پرہیز کریں۔رمضان میں احادیث وغیرہ کے بہت سارے Messages کاپی، پیسٹ اور Forward ہوتے رہتے ہیں۔ان میں غلط باتیں اور موضوع احادیث بھی ہوتی ہیں۔پوری کوشش ہو کہ ہم بغیر تحقیق کے کوئی بھی پیغام آگے نہ بھیجیں۔

☆نیکی کا ماحول ہونے کی وجہ سے دعوت و اصلاح کے کام میں آسانی ہوجاتی ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اس کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔مختلف بہانوں سے اپنے اعزہ واقرباء، پڑوسی، دوست وکالج کے ساتھیوں کو دعوت دیں اور انہیں

مقصد زندگی سے واقف کرائیں۔
☆نیکی کرنااور اس کی دعوت دینا آسان ہے لیکن گناہ سے بچنااور دوسروں کو بچانا ایک مشکل کام ہے۔ہم اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کچھ لوگ روزہ بھی رکھتے ہیں،نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن جھوٹ بھی بولتے ہیں، غیر محرم کے ساتھ گھومتے بھی ہیں،غیبت بھی کرتے ہیں،وغیرہ۔ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ صرف نیکی کر لینے سے کچھ نہیں ہوگا جب تک کہ گناہوں سے اپنے آپ کو نہ بچائیں۔پرہیز کے بغیر دوا کا کچھ خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔
☆اس رمضان میں کسی مخصوص سورہ ،احادیث کا مجموعہ اور آخرت کو یاد دلانیوالے لٹریچر کا مطالعہ کریں،کچھ آیات،سورہ اوراحادیث یاد کریں۔ اس سے رمضان کے مقصد کے حصول میں آسانی ہوگی،ان شاء اللہ۔
☆افطار پہ دوسروں بالخصوص نادار،یتیم اور ضرورت مندوں کو بلائیں اورحوض کوثر کے مستحق بنیں۔
☆افطار میں بھی کھجور کا استعمال کریں،اگر کھجور نہ ہوتو پانی سے افطار کریں۔اللہ کے رسول ﷺ کے قول وعمل سے اسی کی تاکید ملتی ہے۔
☆افطار اتنا زیادہ نہ کھائیں کہ مغرب کی جماعت چھوٹ جائے،اور نہ اتنا زیادہ کھائیں کہ بوجھل ہوجائیں اورمغرب کی نماز سستی و کاہلی کے ساتھ ہو۔
☆گھر کی خواتین صبح سے شام تک کا اچھا خاصا وقت افطار کی تیاری میں صرف کردیتی ہیں اور تلاوت،ذکر و دعاء وغیرہ کا اہتمام نہیں کر پاتیں۔ہمیں چاہیے کہ ہم انہیں بھی عبادت کا موقع دیں اورمختلف قسم کے پکوان کے مطالبہ کے بجائے انہیں سمجھائیں کہ روزہ کا مطلب کھانے پینے کا اتنا اہتمام نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادت وریاضت میں لگانا ہے۔
☆افطار کے لیے طرح طرح کے پکوان کے انتظام میں عصر سے مغرب تک کے اہم وقت کو ضائع کرنے کے بجائے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم اسے تلاوت،مطالعہ اور ذکر و دعاء میں صرف کریں۔افطار کے وقت کی دعاء رد نہیں کی جاتی۔ہمیں اس وقت دعاء کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔
☆اگر ممکن ہو سکے تو ہمیں چاہیے کہ افطار سے قبل ایسی حدیث پڑھنے وسننے کا اہتمام کریں جس سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو۔پھر تو افطار کا مزہ بھی کچھ اور ہی ملے گا۔
☆افطار کی ایسی دعوت سے پرہیز کریں،جہاں روزہ کا مقصد فوت ہو،تراویح متاثر ہو،اللہ کی یاد کے بجائے محض Get Together کا ماحول ہو،حلال کھانا کا اہتمام نہ ہو۔سیاسی افطار پارٹیوں سے مکمل پرہیز کریں۔اگر آپ کسی کو افطار پہ بلائیں تو خود بھی ان چیزوں کا خیال رکھیں۔اجتماعی افطار کا اہتمام کریں اور اس موقع سے لوگوں کو ان کے مقصد زندگی اور دعوت دین کی عظیم و بھاری ذمہ داری سے آگاہ کریں۔
☆اخلاقی برائیوں سے پرہیز کریں۔غیبت،جھوٹ،چغلی،الزام تراشی،بد ظنی،دھوکہ دہی جیسی غلیظ و ناپاک حرکتوں سے بچیں کہ اس کا خیال رکھے بغیر ہمارا روزہ اللہ پاک کے نزدیک قابل قبول نہیں۔اللہ پاک ہم تمام کو ان برائیوں سے بچائے۔آمین۔
☆غریب،یتیم،مسکین،بیوہ،قیدی اور اس طرح کے تمام مجبور ومحتاج افراد کی مدد کریں،خصوصا مالی مدد۔اللہ کے رسول ﷺ کے رمضان کی فیاضی بہت مشہور ہے۔ہم اگر صاحب نصاب نہیں ہیں پھر بھی اللہ کی راہ میں بہ قدر استطاعت خرچ کرتے رہیں۔
☆صدقۂ فطر بالکل آخر میں دینے کے بجائے کچھ دن پہلے ادا کردیں تاکہ ضرورت مند افراد اپنی ضرورت پوری کرسکیں،اور ہمارے روزوں میں جو کمیاں وکوتاہیاں رہ گئی ہیں،اللہ پاک انہیں درگزر کردے،اور ہمارے روزے قبول کرلے۔
☆۱۰؍رمضان کو محمد ابن قاسمؒ نے سندھ پہ حملہ کیا تھا اور اسے نور اسلام سے منور کیا تھا،ہم اور آپ آج انہیں کے مرہون منت ہیں۔ہمیں چاہیے کہ اس موقع سے اس مبارک اور حوصلہ افزا تاریخ کو پڑھیں،اس کی روشنی میں حال کا جائزہ لیں اور مستقبل کی منصوبہ بندی کریں۔
☆۱۷؍رمضان المبارک کے موقع پر یوم الفرقان کو یاد کریں اور اس سے جذبۂ جہاد و شہادت کی آبیاری کریں،اپنے دلوں میں بھی اور دوسرے دلوں میں بھی۔

بغیر جذبۂ جہاد وشہادت کے اسلام کا عظیم کام نہیں کیا جا سکتا۔جب تک دل سے انسانوں کا خوف نکال کر اللہ کا خوف نہیں ڈالا جائے گا اسلام کی پُرخطر راہ کا راہی بننا آسان نہیں ہوگا۔یہ یوم الفرقان اسی جذبہ کو پروان چڑھاتا ہے۔

☆ ۲۰ رمضان کو مکہ فتح ہوا۔ہمیں اس عظیم دن کو یاد کرنا چاہیے اور اس دن کے آنے تک کے تمام مراحل کو اپنے ذہنوں میں تازہ کرنا چاہیے۔فتح مکہ کی منزل تک پہنچنے کے لیے جو زاد راہ ناگزیر ہے، آج بدقسمتی سے امت اس سے تہی دامن ہے۔دعوت اور اس کی تڑپ، صبر واستقامت، ہجرت، جہاد وشہادت، محکم اور حکیمانہ حکمت عملی، رحمت و شفقت، عفو درگزر، انسانیت سے جذبۂ ہمدردی وغیرہ جیسے زاد راہ کی ضرورت آج امت اور اس کے نوجوانوں کو ہے۔

☆ ۲۰ رمضان کو عصر بعد اعتکاف کے لیے مسجد میں گوشہ نشیں ہو جائیں۔حدیث کے مطابق اعتکاف کرنے والا چوں کہ گناہوں سے رکا رہتا ہے اس لیے اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو اس شخص کے حق میں لکھی جاتی ہیں جو تمام نیکیوں پر عمل پیرا ہو۔

☆ اگر ہم پورے دس دنوں کا اعتکاف نہ کر پائیں تو جتنے دن کی بھی توفیق ملے ہم معتکف ہونے کی کوشش کریں۔

☆ آخری عشرہ میں ہم اپنی کمر کس لیں جیسے کہ ہمارے محبوب آقا ﷺ مکمل یکسو ہو جاتے تھے۔پورے دس دنوں سے مکمل استفادہ کی کوشش کریں۔اگر اعتکاف نہیں کر پا رہے ہیں تو اس بات کی پوری کوشش کریں کہ اس کے دن بھی عبادت میں گزریں اور رات میں بھی اچھا خاصا وقت بلکہ پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں گزرے۔

☆ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تو ہمیں اور زیادہ حساس ہو جانا چاہیے کیوں کہ اب رمضان بس جانا ہی چاہتا ہے۔ان طاق راتوں میں ہم شب قدر تلاش کریں۔شب قدر کی دعا "**اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی**" کو بار بار پڑھیں۔انفرادی واجتماعی عبادت کا اہتمام کریں کہ اس رات کا ثواب ہزار رات نہیں ہزار مہینوں سے افضل ہے۔اور جو اس سے محروم رہ گیا وہ پورے خیر سے محروم رہ گیا۔

☆ آخری دنوں میں عید کی تیاری میں ہماری عبادت بہت زیادہ متاثر ہو جاتی ہے، عید کی تیاری مذموم نہیں لیکن ایسی تیاری جو ہمیں رمضان کے مقصد سے دور کر دے وہ یقیناً مذموم ہے۔

☆ عید کی رات اللہ پاک اپنی امت کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ارشاد رسول ہے: رمضان کی آخری رات کو میری امت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہی وہ لیلۃ القدر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ مزدور کو اس کی مزدوری اس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔ہمیں اس رات توبہ واستغفار کی کثرت کرنی چاہیے، بجائے اس کے کہ پوری رات یوں ہی گنوا دیں۔

آیئے ہم عہد کریں کہ

ابھی سے رمضان کی تیاری شروع کر دیں گے، اس کے لیے نظام الاوقات بنائیں گے، رمضان کا ہر ہر لمحہ ذکر وعبادت اور ریاضت میں گزاریں گے، نیکی کرنے کے ساتھ ساتھ برائیوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو بھی ادا کریں گے، قرآن سے اپنا رشتہ مضبوط کریں گے، اس کے مقصد سے لوگوں کو وابستہ کریں گے، اصلاح و دعوت کے کام کریں گے، جذبۂ جہاد و شہادت کو پروان چڑھائیں گے، حالات، ماحول، اور انسانوں سے ڈرنے کے بجائے محض اللہ واحد سے ڈریں گے، صبر و استقامت کے ہتھیار سے لیس ہوں گے، ممکن ہو تو اعتکاف کریں گے، آخری عشرہ بالخصوص طاق راتوں کو محض انفرادی و اجتماعی عباتوں میں بتائیں گے، اپنے اوقات یوں ہی ضائع نہیں کریں گے، خود بھی بدلیں گے اور اس جہان کو بھی بدلنے کی کوشش کریں گے، غزوۂ بدر ہو یا فتح مکہ، کوئی بھی مرحلہ ہو۔۔۔ہر وقت اپنی صلاحیت اور جان و مال کو جھونکنے کے لیے تیار رہیں گے، غلبۂ اسلام کے لیے اپنی زندگی کی آخری سانس تک جدو جہد کرتے رہیں گے، ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ۔ اللہ پاک ہمیں اپنے عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

ہم گفتگو کیسے کریں!

محمد الغزالیؒ

زبان وبیان اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے جس سے اس نے انسان کو نوازا ہے اوراس کے ذریعہ تمام مخلوقات پر اسے فضیلت بخشی ہے۔

”نہایت مہربان اللہ نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔اسی نے انسان کو پیدا کیااوراسے بولنا سکھایا۔“(سورہ رحمٰن)

نعمت جتنی عظیم ہوگی اس کا حق اتنا ہی زیادہ ہوگا،اس کا شکریہ ادا کرنا اتناہی ضروری ہوگا اوراس کی ناشکری و ناسپاسی اتنی ہی زیادہ قابل ملامت ہوگی۔اسلام نے وضاحت کی ہے کہ لوگ اس نعمت غیر مترقبہ سے کس طرح فائدہ اٹھائیں اور باتیں جو دن بھر ان کی زبان پر جاری رہتی ہیں کس طرح انہیں خیرو حق کے لیے استعمال کریں۔ایسے افراد کی تعداد کم نہیں ہے جن کی گفتگوؤں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا اور نہ ان کی زبان خاموش ہوتی ہے۔اگران کی گفتگوؤں کا آپ احاطہ کریں تو دیکھیں گے کہ ان کا زیادہ حصہ لغو،بیکاراور دل آزار باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے منہ میں زبان نہیں رکھی تھی اور نہ اسے یہ صلاحیتیں اس مقصد کے لئے ودیعت کی تھیں۔

”لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ہاں اگرکوئی پوشیدہ طور پرصدقہ وخیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لئے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہےتو یہ البتہ بھلی بات ہےاور جوکوئی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ایسا کرے گا ہم اسے بڑا اجر عطا کریں گے۔“(النساء۱۱۴)

اسلام نے کلام،اس کے اسلوب اوراس کے آداب وقواعد کی طرف خصوصی توجہ دی ہے،اس لئے کہ کسی انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات اس کی عقلی سطح اور اخلاقی فطرت کو بتاتی ہے۔اوراس لئے بھی کہ کسی جماعت میں گفتگو کے آداب اس کے عام معیار کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس ماحول میں فضیلت وشرافت کے نفوذ کی پتہ دیتے ہیں۔

☆اپنا محاسبہ کیجیے:

دوسروں سے مخاطب ہونے سے پہلے خود اپنی طرف جھانکئے اور اپنے آپ سے سوال کیجیے کہ کیا کوئی ایسا موقع ہے جو گفتگو ؤں کا متقاضی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہوتو بات کیجیے ورنہ خاموشی زیادہ بہتر ہے۔بلاضرورت مواقع پر گفتگو سے پرہیز کرنا بڑے اجر کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:”قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں،اس روئے زمین پر طویل المیعاد قید کا زبان سے زیادہ کوئی مستحق نہیں۔“(طبرانی)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ:پانچ باتیں ایسی ہیں جو کالی دھاری کے ٹانگوں والے گھوڑوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں۔

☆ بے مطلب کی باتیں نہ کرو کیوں کہ یہ فضول اورلغو ہےاور میں اس سے تمہارے گناہ میں پڑ جانے کے اندیشہ سے مطمئن نہیں ہوں۔

☆ کام کی باتیں کروتو اس وقت جب کہ اس کا موقع ہو،اس لئے کہ بہت سے لوگ ہیں جو بے موقع کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔یہ عیب ہے۔

☆کبھی سمجھدار یا بے وقوف سے کج بحثی نہ کرو۔اگر وہ سمجھ دار ہےتو تم سے ناراض ہوجائے گا اورنفرت کرنے لگے گا اور اگر بے وقوف اور جاہل ہے تو تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوگا۔

☆اپنے بھائی کی غیر حاضری میں ان الفاظ میں اس کا ذکر کرو جوتم خود اپنی موجودگی میں اس سے سننا چاہتے ہواور اسے ان چیزوں سے بری قراردوجن کے بارے میں تم چاہتے ہوکہ وہ تمہیں ان سے بری سمجھے۔

☆اس آدمی کا ساعمل کرو جو یہ سمجھتا ہے کہ احسان پر اسے نوازا جائیگا اور جرائم پر اس کی گرفت ہوگی۔

کوئی مسلمان ان صفات کو اسی وقت پیدا کرسکتا ہے جب وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھتا ہو اور اس کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھتا ہو۔ جہاں خاموشی ضروری ہو وہاں اس کی لگام کھینچ لے اور جہاں گفتگو کی ضرورت محسوس ہو وہاں اسے قابو میں رکھتے ہوئے چھوڑ دے۔ لیکن جن کے اوپر ان کی زبانوں کی حکومت چلتی ہے وہ پیچھے کی طرف ڈھکیل دیے جاتے ہیں اور زندگی کے میدان میں انہیں ذلت ورسوائی نصیب ہوتی ہے۔

☆خاموشی میں عافیت ہے:

اول فول اور واہی تباہی بکنے سے عقل بھی جاتی رہتی ہے۔ جو لوگ مجلسوں میں اپنی باتوں سے تمام شرکاء پر چھا جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی زبان سے گفتگو کی بارش ہوتی رہتی ہے، ان میں سے اکثر اپنے عمل سے سامعین کو یہ یقین دلا دیتے ہیں کہ ان کی باتوں کو کسی زندہ وہوش مند شعور یا گہری فکر کا نتیجہ نہ قرار دیں بلکہ بسا اوقات تو گمان ہونے لگتا ہے کہ اس طویل تقریر اور عقل ودرایت کے درمیان کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی نہیں ہے۔

آدمی جب اپنی حیثیت پر غور کرنا چاہتا ہے اور اپنے دین کو مرتب و یکجا کرنا چاہتا ہے تو ہنگامہ وغوغا کے ماحول سے بھاگ کر پرسکون یا خاموش فضا میں پناہ لیتا ہے۔ اس لئے اگر اسلام خاموشی کی تلقین کرتا ہے اور اسے مہذب تربیت کا ایک بڑا وسیلہ تصور کرتا ہے تو مقامِ حیرت نہیں ہے۔

رسول کریمؐ نے حضرت ابو ذرؓ کو ایک نصیحت یہ بھی کی تھی کہ ''خاموشی اختیار کرو، یہ شیطان کو بھگانے کا ایک ذریعہ ہے اور تمہارے دین کے معاملہ میں تمہارا مددگار ہے۔'' (احمد)

بے شک زبان شیطان کے ہاتھ میں پڑی ہوئی رسی ہے جسے وہ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ جب انسان اپنے معاملہ پر قابو نہیں رکھ پاتا ہے تو اس کا منہ ان تمام باتوں کی گزرگاہ بن جاتا ہے جو دل کو ملوث کردیتی ہیں اور اس کے اوپر غفلت کی چادریں چڑھا دیتی ہیں۔

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''کسی بندے کا ایمان سیدھا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا دل نہ سیدھا ہو جائے اور اس کا دل سیدھا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو جائے۔'' (احمد) اسی راستی اور درستگی کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان غیر متعلق معاملات سے اپنا ہاتھ جھاڑ لے اور ان امور میں مداخلت نہ کرے جن کے بارے میں وہ جواب دہ نہیں ہے۔ ''یہ آدمی کے حسن ایمان کی دلیل ہیکہ وہ لایعنی کاموں کو چھوڑ دے۔'' (ترمذی)

☆لغو سے پرہیز کامیابی کی شرط ہے:

لغو سے پرہیز کرنا کامیابی کی شرط اور کمالات کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے اس کا تذکرہ ۲ محکم فرائض کے درمیان کیا ہے جس سے اسکی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔ ''یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں، لغویات سے دور رہتے ہیں اور زکوۃ کے طریقے پر عامل رہتے ہیں۔'' (المومنون)

اگر پوری دنیا کے انسان اپنے ان مشاغل کو شمار کریں جو وہ لغو قول وعمل میں لگاتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آئے گا کہ پھیلی ہوئی داستانوں اور کہانیوں، مشہور و معروف خبروں اور افسانوں، تقریروں اور نشریات وغیرہ کا بیشتر حصہ لغو اور فضول چیزوں پر مشتمل ہے جن سے نگاہیں سینکی جاتی ہیں، جن کی طرف کان لگائے جاتے ہیں لیکن ان کا کوئی فائدہ سامنے نہیں آتا۔

اسلام نے لغو سے اپنی کراہیت کا اظہار کیا ہے، اس لئے کہ سطحی اور بے فائدہ چیزیں اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ پھر جن چیزوں میں کوشش اور جدوجہد کرنے اور ان سے پیداوار حاصل کرنے کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی ہے ان کو چھوڑ کر دوسرے کاموں میں اپنی عمر برباد کرنا بھی دراصل لغو ہے

لغو سے ایک مسلمان جتنا دور ہوگا اللہ کے نزدیک اس کا درجہ اتنا ہی بلند ہوگا۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ''ایک آدمی کا انتقال ہوگیا تو ایک دوسرے شخص نے رسولؐ اللہ کے سامنے اس کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: وہ جنت میں جائے گا۔ اللہ کے رسولؐ نے ٹوکا ''تو کیا تمہیں علم ہے؟ ہوسکتا ہو کہ لایعنی گفتگوؤں میں اس نے حصہ لیا ہو یا مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا ہو حالانکہ اس سے کوئی کمی نہیں ہوتی۔'' (ترمذی)

لغو باتیں کرنیوالا اپنی فکر اور گویائی کے کمزور رشتہ کی وجہ سے جو کچھ منہ میں آتا ہے بکتا چلا جاتا ہے بسا اوقات وہ ایک ایسی بات بھی کہہ جاتا ہے جس سے وہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور اپنا مستقبل تباہ کرلیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''جو جتنا زیادہ بولے گا اس سے اتنی ہی زیادہ غلطیاں سرزد ہوں گی۔'' ایک عربی شاعر نے کہا ہے: ''جوان اپنی زبان کی لغزش سے مارا جاتا ہے حالانکہ پاؤں کی ٹھوکر سے آدمی کو موت نہیں آتی۔''

حدیث میں آتا ہے: ''بندہ کوئی بات کہتا ہے تاکہ مجلس کو ہنسائے حالانکہ اس کی وجہ سے وہ آسمان وزمین کے درمیان بعید ترین علاقے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ آدمی کے قدموں سے جو لغزش ہوتی ہے وہ زبان کی لغزشوں کی خطرناکیوں سے کہیں کم ہوتی ہے۔'' (بیہقی)

☆سخن دلنواز......داعی کا رختِ سفر

جب آدمی بات کہے تو اچھی اور بھلی بات کہے اور اپنی زبان کو خوبصورت اور باوقار گفتگو کا عادی بنائے، اس لئے کہ دل میں اٹھنے والے خیالات کی بہترین تعبیر ادبِ عالیہ ہے جس سے اللہ نے تمام مذاہب کے پیروکاروں کو نوازا ہے۔ قرآن نے وضاحت سے کہا ہے کہ: حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اس میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ اچھی اور بھلی بات کہیں۔ ''اور یاد کرو اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔'' (البقرہ)

پاکیزہ اور عمدہ گفتگو دوستوں اور دشمنوں سب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے میٹھے پھل ظاہر ہوتے ہیں اور یہ دوستوں کے درمیان محبت کی حفاظت اور ان کی دوستی کو مستحکم اور پائیدار کرتی ہے اور شیطان کی تمام چالوں کو ناکام بنادیتی ہے کہ وہ ان کے رشتے کمزور کرسکے اور ان کے درمیان فتنہ وفساد ڈال سکے۔ ''اور اے نبیؐ! میرے بندوں سے کہہ دو کہ زبان سے وہ بات نکالا کریں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہیکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔'' (بنی اسرائیل)

شیطان انسانوں کی گھات میں لگا رہتا ہے۔ ان کے درمیان عداوت اور کینہ وبغض کی تخم ریزی کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آپس کے معمولی جھگڑے کو خونریز معرکہ میں تبدیل کردے اور خوبصورت اور عمدہ بات کے ذریعہ اس کا راستہ نہ روکا جا سکے۔

اور دشمنوں کے ساتھ دلنواز گفتگو کیجیے تو ان کی دشمنی بجھ جاتی ہے اور ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے یا کم ازکم دشمنی اور شرانگیزی کے اسلوب میں نمایاں فرق ہوجاتا ہے۔ ''اور نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے جس کے ساتھ تمہاری عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔'' (حم السجدہ)

ہر حالت میں لوگوں کو حسن تعبیر کی عادی بنانے کے لئے اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں: ''تم اپنے مال کے ذریعہ لوگوں پر حاوی نہیں ہوسکوگے بلکہ خوش روی اور حسن اخلاق سے ان کے دلوں کو جیت سکتے ہو۔'' (البزار)

اسلام کی نگاہ میں حسن اخلاق اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی کو نہ دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ عطیات دیے جائیں لیکن چھچھورے پن کا ثبوت دیا جائے اور اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔

''ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔'' (البقرہ)

عمدہ گفتگو ایک ایسی خصلت ہے جو نیکیوں اور فضائل میں شمار ہوتی ہے اور اس کو اختیار کرنے والا اللہ کی خوشنودی کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس کے لئے ہیشگی کی نعمت لکھ دی جاتی ہے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ''آدمی نے نبیؐ سے کہا مجھے کوئی ایسا عمل سکھلا دیجیے جو مجھے جنت میں داخل کرسکے۔ آپؐ نے فرمایا: ''مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، سلام کو رواج دو، رات کو جب لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں تو تم نمازیں پڑھو تو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم دوسرے کے مذہب کے پیروکاروں سے بحث کریں تو شریفانہ اور سنجیدہ انداز بحث کو ملحوظ رکھیں ۔اس میں شدت ہو نہ غیض و غضب ،البتہ جو ہمارے اوپر ظلم کریں تو ان کی سرکشی کو توڑنا اور ان کے ظلم و عدوان کو روکنا ضروری ہے۔

’’اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہوں ۔‘‘(عنکبوت) بڑے آدمی اپنے تمام حالات میں اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کے منہ سے کوئی زائد اور بیکار لفظ نہ نکل جائے۔

☆جواب جاہلاں باشد خموشی:

کچھ لوگ زندگی بھر ترش رو، تندمزاج اور فحش گو رہتے ہیں ۔ان کا ایمان ویقین ان برائیوں پر ذرہ برابر نہیں کڑھتا ، نہ کا اخلاق اس پر ملامت کرتا ہے ۔دوسرے سے ایسی باتیں کہنے میں انہیں کوئی باک نہیں ہوتا جو انہیں ناپسند ہوں ، جب انہیں اپنی بدخوطنیت کی جولانی دکھانے کے لئے کوئی میدان میسر آجاتا ہے تو وہ بگٹٹ گھوڑے کی طرح فحش اور بے ہودہ باتوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں ۔کوئی چیخ ان کو متاثر نہیں کرتی ، نہ کوئی آواز انہیں متنبہ ہونے دیتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک آدمی اللہ کے رسولؐ سے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے کہا ’’اپنے خاندان کا کیا ہی برا شخص ہے یہ!‘‘ جب وہ اندر آیا تو کھل اٹھے اور اس سے بڑی نرمی سے بات کی ۔اس کے واپس چلے جانے کے بعد میں نے پوچھا ’’اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے اس آدمی کو اس طرح کی باتیں کہتے ہوئے سنا پھر بھی آپؐ نے چہرے پر کوئی شکن نہ آئی بلکہ اس سے خوش روی سے ملے؟ تو آپؐ نے فرمایا ’’اے عائشہؓ تم نے مجھے کب فحش گو پایا ہے؟ قیامت کے دن سب سے بدتر آدمی اللہ کے نزدیک وہ شخص ہوگا جس سے لوگوں نے اس کے فحش کی وجہ سے بچنے کے لئے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہو۔‘‘ (بخاری)

’’رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام ۔‘‘(فرقان)

انسان ایک بار، دوبار غصہ پی جاتا ہے لیکن پھر پھٹ پڑتا ہے ۔ حالانکہ ایک با اخلاق مسلمان سے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ تکلیفوں کو برداشت کرے تاکہ بالآخر شر کو اپنے موقف پر جمنے کا موقع نہ مل سکے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ ’’اس اثنا میں کہ رسولؐ اللہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے تھے ،ایک آدمی نے حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہا اور انہیں دل آزار بات کہہ دی لیکن ابوبکرؓ خاموش رہے ۔اس نے دوبارہ انہیں تکلیف دہ بات کہی ،ابوبکرؓ دوبارہ خاموش رہے۔تیسری بار جب اس نے انہیں تکلیف پہنچائی تو انہوں نے اسکا جواب دینے کی کوشش کی ۔اللہ کے رسولؐ اٹھ کھڑے ہوئے ،ابوبکرؓ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ مجھ سے ناراض ہوگئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں! بلکہ آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا تھا جو اس کی باتوں کو جھٹلا رہا تھا لیکن جب تم نے جواب دینا شروع کیا تو فرشتہ چلا گیا ،شیطان بیٹھ گیا اور میں وہاں نہیں بیٹھ سکتا جہاں شیطان بیٹھا ہو۔‘‘ (ابوداؤد)

سفہا اور کم عقل لوگوں کی تعظیم کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کہ ان کی پست اور سطحی حرکتوں کو بھی تسلیم کرلیا جائے ،ان دونوں صورتوں میں بڑا عظیم فرق ہے۔

پہلی چیز کا مطلب یہ ہے کہ جہالت وسفاہت کے سامنے آدمی اپنے نفس پر قابو رکھے اور اسے اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ اصل فطرت جو غصہ کی حامل ہے ،کو ظاہر کرسکے اور انتقام لینے پر تل جائے ۔جب کہ دوسرا پہلو بالکل ہی مخالف مفہوم رکھتا ہے ۔اس میں نفس کو حماقت اور ذلت و رسوائی کے حوالے کرنا ہے اور ان پست چیزوں کو قبول کرنا ہے جنہیں کوئی عاقل اور شریف آدمی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔قرآن کریم نے کم عقلوں کی تعظیم اور پست اور سطحی حرکتوں سے نفرت و کراہیت کا اظہار اس طرح کیا ہے: ’’اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے ،اِلا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو ۔اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے (مظلوم ہونے کی صورت میں گرچہ تم بدگوئی کا حق ہے) لیکن اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کیے جاؤ، یا کم از کم برائی سے درگزر کرو تو اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، حالانکہ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے ۔‘‘(النساء)

تحریکی رفقاء کی تربیت ایک اہم مرحلہ!

ڈاکٹر عابد الرحمٰن

ہمارے وہ ساتھی جو عمر کے مختلف مدارج میں تنظیم سے وابستہ ہوتے ہیں انکی تربیت ذمہ داران کے سامنے ایک چیلنج بن کر ابھرتی چلی جارہی ہے۔مختلف مواقع سے اس قافلہ سے جڑنے والے ساتھیوں کی تربیت اگر صحیح وقت پر ایک متعینہ مدت میں ہوجاتی ہے تو یہ رفقاء تنظیم کو اپنے مقاصد پورا کرنے میں کارگر ثابت ہوتے ہیں۔لیکن یہ تربیت برموقع نہ ہونی چاہیے اور مکمل نہ ہو پائے تو ان رفقاء میں روحانی وعملی اعتبار سے کچھ کمیاں رہ جاتی ہیں جو تنظیم کے کاموں کے آگے بڑھنے میں کہیں نہ کہیں سدراہ ثابت ہوتی ہیں۔

لہذا اس مرحلہ کی اہمیت کے سلسلہ میں ذمہ داران کو بہت حساس ہونے کی ضرورت ہے۔اس سلسلہ میں کوتاہی ہم سے سرزد نہ ہو کہ انفرادی طور پر ایک فرد نے اپنے آپ کو ایک اجتماعیت کے حوالے کیا ہو اور اجتماعیت کے پاس اس فرد کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں کوئی مضبوط لائحہ عمل نہ پایا جاتا ہو۔

☆تربیت کا مفہوم:

لفظ ''تربیت'' کا مادہ رِباء......''تربوٗ'' ہے جسکے معنی ''زیادتی'' اور 'نموٗ' (Growth) کے ہیں۔سورہ روم کی آیت ۳۹ میں مذکورہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ رَب''۔لَربُ 'نگرانی کرنا' 'انتظام کرنا' 'نگہداشت' 'خبر گیری کرنا'۔۔

اس کے علاوہ بھی یہ لفظ قرآن وحدیث میں مختلف مقامات پر استعمال ہوتا رہا ہے۔مذکورہ دونوں حوالے سے اگر بات کو سمجھا جائے تو تربیت دراصل صلاحیتوں کی زیادتی اور نمو ہے۔

علاوہ ازیں، رفقاء کی نگرانی، انکا انتظام، انکی نگہداشت اور وقتاً فوقتاً خبر گیری کرتے رہنا ہے۔ گویا نوخیز انسانوں کی فطرت کا تحفظ اور انکی نگہداشت، ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا، فطری طور پر جو صلاحیتیں ان میں موجود ہیں ان کو تدریجاً مراحل سے گذار کر بہتر طور پر استعمال کرنا اور مناسب تدابیر اور انتظام کے ذریعہ ان کو کمال ودرستگی تک پہنچانا وغیرہ اس سلسلہ کے نام ہیں۔گویا کہ تربیت ایک تدریجی عمل ہے جو دھیرے دھیرے ہوتا ہے ۔جنھیں صلاحیتوں کو نکھرنا بھی کہا جاسکتا ہے ۔

سید احمد عروج قادری صاحب نے ایک جگہ تربیت کے سلسلہ یہ لکھا کہ تربیت ایک طرح سے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔عقل وجذبات اور دیگر طاقتوں کو بتدریج ایک نقطہ پر مرتکز کرنا تربیت ہے۔بہترین اسلوب سے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرنے کا مرحلہ تربیت کہلاتا ہے۔کچھ مخصوص وسائل کے ذریعہ ایک خاص نہج پر انسانی فطرت کے ساتھ معاملہ کرنے کا طریقہ تربیت کہلاتا ہے۔

لیکن ہمیں خصوصاً ذمہ دارانہ سطح کے رفقاء کو یہ بہتر طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انسانی فطرت کے ساتھ معاملہ کرنا اسکو درست کرنا ایک مشکل کام ہے۔اس کے لئے قائدین میں اعلیٰ ظرفی، وسیع النظری حلم، بردباری اور بہت زیادہ ضبط کی ضرورت درکار ہوتی ہے۔چونکہ حکم دینے کے بعد ہمارا کوئی رفیق ایک اسکو پورا نہ کرے تو اسکو ہمارے انا کا معاملہ نہ بننا چاہیے کہ 'میرا حکم نہ مانا گیا'۔

☆تربیت کیونکر ضروری ہے۔

تربیت کی اولین ضرورت تحریک وتنظیم کا استحکام اور اس کے اعلیٰ مقاصد اور نصب العین کا حصول ہے۔ایک بار مقصد کا تعین طے ہوجائے تو پھر مقصد کا حصول کیسے کیا جائے اس غرض کے لئے تربیت ضروری ہے۔

مذکورہ، دوباتوں میں اجتماعی غرض شامل ہے جبکہ انفرادی طور پر تربیت کی غرض درج ذیل نقاط سے واضح ہوجاتی ہے

☆ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی پختگی

☆ رفقاء کے درمیان فکر کی ہم آہنگی

☆ انفرادی و اجتماعی کردار کی تعمیر

☆ **تنظیم کے داخلی نظام کا استحکام:**
رفقاء میں دعوتی کام کی صلاحیت کا پیدا ہونا ۔اس کے اندر عملی جذبہ کی نشوونما کا ہونا۔

تربیت دراصل علمی اور عملی ہوتی ہے ۔علمی تربیت دراصل ذہن وفکر کو غذا کی فراہمی ہے ۔جبکہ اس علم کو عملی زندگی میں برت کر دکھانا عملی تربیت ہے ۔دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں ۔پھر ضروری ہے کہ علمی تربیت مسلسل ہو اسکی وسیع اور بلند ہو چونکہ زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ چیلینجز میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے لہذا ہمارا رفیق ہر زمانہ کے اعتبار سے قابل ہو ۔علم کے تسلسل سے اس میں پختگی پیدا ہوتی چلی جائیگی ۔مثلاً ایک نومولود بچے کو مناسب غذا ،شفقت آمیز نگرانی اور موزوں آب و ہوا میسر آجائے تو بتدریج یہ بچہ حد کمال تک پہنچ جاتا ہے ۔ تربیتی معاملہ ایک بیج کا ہے مناسب موسم میں ،مناسب زمین میں ،مناسب نگرانی کے بعد ایک ننھے سے پودے میں تبدیل ہوجاتا ہے اور ایک دن ضرور برگ وبار لاتا ہے ۔لہذا علمی تربیت کے ذریعہ ہی رفقاء کو نظریہ کے مخصوص سانچہ میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

☆ **تربیت کے سلسلے میں ذمہ داران کا رول:**
چونکہ نگراں کی حیثیت قائد اور ذمہ دار کو حاصل ہے اس لئے اسکی ذمہ داری زیادہ ہے ۔لہذا اسکا کردار مثالی ہو کہ رفقاء فخر محسوس کریں کہ اس جیسا قائد میسر آیا۔ رفقاء اپنے قائد سے بے لاگ محبت کریں کہ قائد کو چھینک آئے تو بڑی دور یرحمک اللہ کی گونج بھی سنائی دے ۔تربیت کا طریقہ کافی مشفقانہ ہو کہ ہر صحابی رسولؐ یہ سمجھتا تھا کہ آپؐ اس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں ۔تربیت کا طریقہ مشفق ہو۔ ہر بار صرف باز پرس ہی نہ ہو کہ فلاں کام کرنے کو کہا تھا آپ نے کیوں نہیں کیا؟ اپنے رفقاء کی صلاحیتوں کو پہچاننا قائد کو آتا ہو۔ پھر وہ ان صلاحیتوں کو مختلف مراحل سے گذار کر میں نکھارنے کی فکر میں لگ جائے ۔قائد کو تنگ دل نہ ہونا چاہیے ۔بہت سارے معاملات میں وہ اپنے رفقاء کے سلسلہ میں عفوودرگزر سے کام بھی لے۔

☆ **رفقاء کا رول:**
تربیت کے لئے دلی آمادگی بہت ضروری ہے ،پورے خلوص کے ساتھ اپنے قائدین پر اعتبار کریں۔ رفقاء میں کسی قسم کی نفسانیت یا انفرادیت نہ ہو کہ اگر حکم ہمارے حساب سے ہو تو مانیں گے ورنہ نہ مانیں گے یا جو حکم دیا گیا ہے وہ ہمارے شایانِ شان نہیں۔ کسی قسم کا کوئی کبر وغرور نہ ہو مزاج میں اعتدال اور استقلال ہو، جو بھی کام ہو اگر چیکہ چھوٹا ہو لیکن مداومت کے ساتھ ہو ،کسی قسم کی نمود ونمائش کی خواہش نہ ہو کہ اگر میں یہ کام کرلوں تو دیگر ساتھیوں کے مقابلے نمایاں یا ممتاز ہو جاؤنگا ۔یا ذمہ داران کی نظر میں نمایا ں ہونے یا اچھا کہلانے کی نیت سے کاموں کو بڑھ چڑھ کر کرنے لگے ۔ ہر کام خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ہو کسی قسم کی تنگ دلی کا مظاہرہ نہ ہو نہ اپنے ساتھیوں کے لئے اور نہ اپنے ذمہ داران کے لئے ۔کاموں کے سلسلہ دوسرے رفقاء کیلئے گنجائش رکھیں ۔ارادے کی پختگی بھی کافی اہم ہے ضعف ارادہ سے کیے جانیوالے کام ادھورے ہوتے ہیں ۔مزاج کی بے اعتدالی فکر کی بے اعتدالی کی طرف لے جاتی ہے اور فکر کی بے اعتدالی سے اعمال میں بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے اور اسکا انجام آخر کار مایوسی اور ناکامی ہے۔

☆ **وسائل وذرائع تربیت:**
آخر میں یہ جاننا ضروری ہیکہ رفقاء اور قائدین کے لئے تربیت کے کیا ذرائع ہیں۔ بحر حال اس سلسلہ میں بات واضح ہے کہ پہلی چیز ’’تعلم‘‘ ہے یعنی کسی چیز کا علم حاصل کرنا یا اسکا سیکھنا ۔اس سلسلہ میں ہمارے یہاں ترتیب قرآن و حدیث ،سیرت ودیگر لٹریچر کا اجمالی اور تفصیلی علم۔
دوسری چیز ’’تفکر‘‘ کہ غور وفکر کی عادت ،جو کچھ علم حاصل کیا اسکو عمل میں لانے کے سلسلہ کا غور وفکر۔ یہی وہ صفت ہے جو انسان کو جانور سے ممیز کرتی ہے اور بغیر تدبر وتفکر کے حاصل شدہ علم سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ۔تفکر کے بعد ہی انسان ایک نتیجہ پر پہنچتا ہے جہاں اسکی بصیرت اس کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے ۔تفکر ہی انسانی قلوب کو بدلتا ہے اور پھر اسکے اعضاء وجوارح اسکی تائید میں نکل کھڑے ہوتے ہیں ۔تفکر ہی حق پر استقامت عطا کرتا ہے ۔تیسری چیز اپنا محاسبہ کرنا ہے ۔اپنی کوتاہیوں کے کفارے کی عادت ڈالنا، دعا کا اہتمام، اہل علم افراد کی نگرانی وغیرہ۔
بقیہ صفحہ :25 پر

برائیوں کے طوفان کا مقابلہ

خرم مرادؒ

آج کل جب کبھی دین کا نام زبان پر آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بڑا خراب ہے، سب لوگ دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، عیش و عشرت کے اندر غرق ہیں ۔اس زمانے میں نیکی کا نام کون لیتا ہے؟

کیا کوئی ایسا نسخہ ہے جو ایسے زمانے میں کہ جب ہر طرف بدی چھائی ہوئی ہو، لوگ دولت کے پجاری بن گئے ہوں ، دنیا کے اندر غرق ہوں ، ہمیں ایمان کے راستے پر قائم کر سکے؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب سورہ کہف کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں دیا گیا ہے۔

یہ نسخہ تین چیزوں پر مشتمل ہے ۔ایک اللہ کی کتاب کو پڑھنا اور دوسروں کو سنا نا ، دوسرا اچھے لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنا اوران کی صحبت میں رہنا، تیسرا یہ کہ جو اللہ نے حق دیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا۔

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا (27)

’’اور تلاوت کرو اس چیز کی جو وحی کی گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے اس اللہ کے کلمات کو بدلنے والی کوئی چیز نہیں ہے ۔اور تم ہرگز کوئی پناہ گاہ نہ پاؤ گے اس کے علاوہ۔‘‘

بظاہر خطاب نبیؐ سے ہے لیکن جو خطاب آپؐ سے ہے وہ ہم سب سے بھی ہے ۔اس لئے کہ ہم آپ کی پیروی کرنے والے ہیں ۔چنانچہ پہلی بات یہ بیان کی جارہی ہے کہ اللہ نے جو کتاب ہدایت دی ہے ،اس کی تلاوت کرو اور پیروی کرو ۔تلاوت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کو پڑھو تلاوت میں غور وفکر کرو اور اس پر عمل کرو ۔تلاوت کے معنی یہ بھی ہیں کہ اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ یہ کتاب تو اتری ہی اس لئے ہے کہ اسے دوسروں کو پہنچایا جائے۔ نبی کریمؐ پر جو بھی آیات نازل ہوتی تھیں، آپؐ ان کو دوسروں کا سنایا کرتے تھے۔

درحقیقت قرآن مجید ایک پنا گاہ ہے ،اسی لئے فرمایا گیا کہ اس کتاب کو اپنی پناہ گاہ بنالو۔ یہ کتاب ایسی چیز ہے کہ زمانہ اچھا ہو یا برا، یا ایسا زمانہ جب لوگ گدھے اور اونٹ پر سوار ہوتے تھے ، یا وہ زمانہ جب لوگ جیٹ میں سوار ہوتے ہوں ،خواہ کوئی بھی زمانہ ہو، یہ کتاب جو کہ ایک حقیقت ہے اس میں جو راستہ بتایا گیا ہے، اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ تلاوت کرتے ہوئے یہ بات بھی یادرکھنی چاہئے کہ قرآن کے احکامات نہ ہم اپنے حق میں تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے حق میں ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ چونکہ یہ احکامات مشکل ہیں ،ان پر عمل کرنا مشکل ہے،اس لئے انہیں تبدیل کرلیا جائے اور کچھ آسانی پیدا کرلی جائے ۔اسی طرح اگر کچھ احکامات دوسروں کے لئے مشکل ہیں یا قبول اسلام اوراشاعت اسلام میں رکاوٹ کا باعث ہیں تو انہیں نہ بیان کیا جائے یا ترک کردیا جائے ،اس کی بھی اجازت نہیں ۔اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ ’’اے نبیؐ، تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنادو، کوئی اس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے (اور اگر تم کسی کی خاطر اس میں ردوبدل کرو گے تو) اس سے بچ کر بھاگنے کے لئے کوئی جائے پناہ پاؤ گے۔‘‘

یہ بات بھی یادرکھنے کی ہیکہ موجودہ دور میں ، جسے ہم خراب کہتے ہیں، کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہو۔ ہمارے لئے اگر کوئی پنا گاہ ہے تو وہ اللہ کی کتاب ہے ۔اس کتاب میں ہمارے امراض کے لئے شفاہے،اس میں روشنی ہے،اسی سے ہمارے اندھیرے دور ہوں گے۔اس کتاب میں نصیحتیں ہیں جس سے دل نرم ہوں گے۔اس کتاب میں وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں حاصل کرسکتے ہیں ۔گویا یہ ایک طرح کی آغوش ہے جس میں بچہ جا کر پناہ لے لیتا ہے۔اسی کتاب سے سب کچھ ملے گا ،روح کے لئے ،دل کے لئے اور زندگی کے لیے اسی لئے فرمایا:’’تم ہرگز نہیں پاؤ گے اس کے علاوہ کوئی اور آغوش تاکہ تمہیں پناہ مل جائے۔‘‘ یہ پہلا حصہ ہے نسخہ شفا کا جس سے اس قسم کے زمانے میں ہم اللہ کے دین پر قائم ہوسکتے ہیں۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ :
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا. ’’اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح وشام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو ۔کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟‘‘

وَاصْبِر کے معنی ہیں صبر کرو یعنی اپنے آپکو باندھو اور روک لو۔گویا دنیا میں اگر ایسے لوگ پائے جاتے ہوں جو صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نفع نقصان کا مالک اللہ ہے، جو کچھ مانگنا چاہیئے اسی سے مانگنا چاہیے، حکم اسی کا چلتا ہے، اسی کو انہوں نے اپنا رب بنایا ہے، تو ایسے لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرو۔ان سے محبت کرو۔ان کو اپنا بھائی بناؤ اور اگر کوئی چیز ناگوار یا تلخ ہو تو اس پر صبر کرو۔‘‘ان کے ساتھ باندھ کر رکھو‘ یا ہرگز نگاہ نہ پھیرو کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو صبح وشام اللہ کو یاد کرتے ہیں تم بھی اگر ان کی صحبت میں رہو گے، ان کے ساتھ جڑے رہو گے ،تو صحبت کی وجہ سے تم بھی اللہ کو یاد کرو گے ۔اسی لئے تاکید کی گئی ہے کہ وہ لوگ جن کا مقصد اللہ کی رضا ہے اور ان کا طریقہ اللہ کی یاد ہے، ان کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لو۔اس طرح نیک لوگوں سے تعلق رکھنے جڑنے اور ان سے وابستہ رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور ایک بہتر ماحول کی طرف رہنمائی دی گئی ہے جس کی وجہ سے گئے گزرے حالات اور برے دور کے باوجود انسان کے لیے نیکی کی راہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔پھر فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ جب دنیا تمہارے سامنے آئے تو اس کی کشش سے تمہاری نگاہ ہٹ کر دنیا اور دنیا والوں کی طرف چلی جائے۔حقیقت یہ ہے کہ جہاں آدمی کی نگاہ جاتی ہے وہیں اس کا دل جاتا ہے لہٰذا اپنے دل کو جمائے رکھو اور دنیا کے ساتھ نہ لگاؤ اور دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے لوگ ہیں جن کا کہنا نہ مانو ،جن کے پیچھے نہ چلو جن کے ساتھ تعلق قائم نہ کرو، جن کو رشک بھری نگاہوں سے نہ دیکھو کہ ہم ان جیسے ہو جائیں ۔ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے تین صفات بیان کیں۔فرمایا: وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطاً. ’’کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو ،جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔‘‘

یعنی اس شخص کا کہنا مت مانو اس کے پیچھے مت جاؤ، اس کی بات پر دھیان مت دو، جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا۔اس کے دل میں اللہ کا خیال ہی نہیں آتا۔ایسے لوگ کوئی بھی کام کر رہے ہوں ،کچھ بھی کما رہے ہوں ،کیسی بھی زندگی بسر کر رہے ہوں بھول کر بھی نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ہم سے کچھ چاہتا ہے۔

لہذا یہ ضروری ہے کہ زبان پر اللہ کا نام ہو۔اگر دل میں اللہ کا خیال نہ آئے تو یہ بھی دل کا اللہ سے غافل ہونا ہے۔اس لیے پہلی بات یہ کہی گئی ہیکہ جو شخص اللہ کی یاد سے غافل ہو گیا وہ پھر اپنی خواہشات کے پیچھے جائیگا اور نفس کا بندہ بن جائیگا۔چنانچہ دوسری بات اللہ نے یہ فرمائی کہ اس آدمی کا کہنا بھی مت مانو جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا ہو۔اس کی زندگی کا مقصد صرف اپنی خواہشات کا حصول اور تسکین بن گیا ہو ۔تیسری بات یہ بتائی ہے کہ اللہ سے غافل شخص دنیا کے جو بھی کام کرتا ہے، جتنا بھی سوچتا ہے، جن راہوں پر چلتا ہے، جس فکر کا وہ حامل ہوتا ہے، اس کے نتیجے میں جن خطوط پر معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے اور جو نظام پروان چڑھتا ہے وہ سب خدا کی حدود سے نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔اس لیے ان تین صفات کے حامل افراد یا معاشرے اور نظام سے تمہارا تعلق نہیں ہونا چاہیے، بلکہ تمہیں ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے ،بندھا ہونا چاہیے جن کا مقصود اللہ کی رضا ہو اور جو صبح وشام اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

تیسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ :وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ ه ’’صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔‘‘

یعنی حق تو وہی ہو سکتا ہے جو رب نے دیا ہے۔اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔اس پر ہدایت یہ دی جا رہی ہے کہ اس حق کو پیش کرو اور لوگوں سے کہہ دو کہ حق کو تسلیم

کریں۔پھر اس بات کی پرواہ مت کرو کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔یہ کام تو کرنا ہی ہے خواہ لوگ اس کو مانیں یا نہ مانیں۔ماننا نہ ماننا، ہر آدمی کا اپنا کام ہے۔اس لئے کہ اللہ نے ہر ایک کو اختیار دیا ہے،آزادی دی ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔دنیا میں یہی انسان کا امتحان ہے۔چنانچہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ لوگ مانتے ہیں یا نہیں،اپنا کام کرتے چلے جایئے۔لوگوں کا قبول کرنا یا رد کرنا،ان کی اپنی کامیابی یا ناکامی ہے۔آپ اسکے مکلّف نہیں ہیں۔اس طرح سے مایوسی کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اور اللہ کی راہ میں جدجہد کرنے اور اس کی رضا کے حصول کے لیے ایک نیا ولولہ اور جذبہ ملتا ہے جو اطمینان اور سکینت کا باعث ہوتا ہے۔

ایمان لانے والے کے لیے اجر اور ایمان نہ لانے والے کے لیے سزا کے متعلق فرمایا:إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَاراً أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءتْ مُرْتَفَقاً ”ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لیے ایک آگ تیار کر رکھی ہے جسکی لپٹیں انہیں گھیرے میں لے چکی ہیں۔وہاں اگر وہ پانی مانگیں تو ایسے پانی سے ان کی تواضع کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور ان کا منہ بھون ڈالے گا،بدترین پینے کی چیز اور بہت بری آرام گاہ۔“

یہ آگ ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جنھوں نے ناشکری اور کفر کے ذریعہ ظلم کا راستہ اختیار کیا۔یہ آگ ایسی ہے کہ اس کی لپٹیں ابھی سے ان کو گھیرے میں لے رہی ہیں اور وہاں ایسا مقام ہوگا جہاں یہ پانی مانگیں گے تو ان کو جو پانی دیا جائے گا،وہ تانبے کی طرح کھولتا ہوا پانی ہوگا جو ان کے منہ کو بھون ڈالے گا۔اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے کیسا عذاب ہے ان کے لئے۔اور وہ عذاب وہیں نہیں ملے گا بلکہ جہاں بھی جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں،ان کی زندگی میں بے اطمینانی کی،بے چینی کی،بے سکونی اور بربادی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔یہاں بھی دنیا ہی سے وہ آگ کے گھیرے میں آنا شروع ہوجاتے ہیں اور وہاں جا کر بھی آگ کے گھیرے میں آجاتے ہیں۔یہاں پر تو ہر خواہش پوری کرتے ہیں لیکن وہاں پر تو جو خواہش کریں گے،سخت گرمی میں پانی مانگیں گے،تو وہ خواہش بھی پوری نہیں ہوگی بلکہ الٹا ملے گا۔یعنی کھولتا ہوا پانی،کھولتا ہوا تانبا،وہ جو منہ کو جھلسا دے گا،کتنی بری پینے کی چیزیں ہیں،کتنا برا ٹھکانہ ہے یہ!لہذا عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس کو اپنا مسکن نہ بنائیں۔

اس کے مقابلے میں جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کریں گے ان کے لیے اللہ نے کیا اجر تیار کھا ہے،فرمایا:إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلاً (30) أُوْلَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَاباً خُضْراً مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقاً ”رہے وہ لوگ جو مان لیں اور نیک عمل کریں،تو یقیناً ہم نیکوکار لوگوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتے۔ان کے لئے سدا بہار جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی،وہاں وہ سونے کے کنگنوں سے آراستہ کیے جائیں گے،باریک ریشم اور اطلس ودیبا کے سبز کپڑے پہنیں گے،اور اونچی مسندوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے۔بہترین اجر اور اعلیٰ درجے کی جائے قیام۔“

گویا کفر کے مقابلے میں جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا اور عمل صالح کا راستہ اختیار کیا،ان سے اللہ کا پہلا وعدہ یہ ہے کہ کسی ایسے آدمی کا جس نے نیک عمل کیا ہو،اس کی مزدوری ضائع نہیں جائیگی،اس کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔یہ بھی ایک بڑا وعدہ ہے۔دنیا کے لئے آدمی محنت کرتا ہے۔رات دن پسینہ بہاتا ہے،جو چیز چاہتا ہے وہ ملتی نہیں ہے،اتنی دنیا کی محنت ضائع ہوجاتی ہے۔لیکن اللہ نے فرمایا کہ جو ایمان اور نیک عمل کی راہ پر چلے گا اس کی ہر مزدوری کا پورا پورا معاوضہ اس کو ملے گا۔وہ معاوضہ کیا ہوگا؟ان کے لیے ہمیشہ سرسبز رہنے والے باغات ہونگے۔ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس میں ان کی عزت ہوگی،ان کا اکرام ہوگا ان کو بادشاہوں کی طرح مسندوں پر بٹھایا جائیگا۔ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔سبز رنگ کے پتلے ریشم کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔

اور وہاں تخت کے اوپر بیٹھے ہونگے ۔وہاں کا لباس کیسا ہوگا؟ کھانا پینا کیسا ہوگا؟ وہاں کے تخت کیسے ہوں گے؟ یہ تو دنیا ہی دوسری ہے ۔نہ میں جانتا ہوں نہ آپ جانتے ہیں ۔نہ میں بیان کرسکتا ہوں نہ آپ ۔لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کے بادشاہ سونے کی چیزیں پہنتے ہیں، تخت پر بیٹھتے ہیں، ریشم کے کپڑے پہنتے ۔اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ اگر ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کی تو پھر تم اللہ کے ہاں بادشاہوں کی طرح مقام پاؤ گے ۔یہ بڑا اچھا ثواب ہے ، بڑا اچھا بدلہ ہے، بڑا اچھا ٹھکانا ہے جہاں پر تم پہنچ جاؤ گے۔

قرآن مجید کی یہ آیات ہمارے لیے بہت قیمتی سبق رکھتی ہیں ۔آج مغربی تہذیب کی یلغار بھی ہے اور ہر طرف دنیا کی پرستش بھی ۔گھروں میں ٹی وی چلتا ہے ،انٹینا لگے ہوتے ہیں ،گھر بھی محفوظ نہیں اور گھروں میں ایمان بھی محفوظ نہیں ان حالات میں وہ کون سا طریقہ ہے جس سے ایمان محفوظ ہوسکتا ہے ۔وہ کون سا طریقہ ہے جس سے ہم اللہ کے راستے پر قائم رہ سکتے ہیں اور چل سکتے ہیں ۔ان آیات میں اسی مسئلے کا حل پیش کیا گیا ہے ۔اگر آپ یہ تین باتیں یاد رکھیں : ایک اللہ کی کتاب کی تلاوت ،دوسرے اچھے لوگوں کی صحبت ،تیسرے اللہ نے جو پیغام دیا ہے اسے دوسروں تک پہنچانا ،تو ایمان بچایا جاسکتا ہے۔

اللہ کی کتاب کی تلاوت کے معنی ہیں اس کے پیچھے پیچھے رہنا ،اس کے ساتھ اپنا وقت لگانا اس کو سمجھنا ،اس پر عمل کرنا۔تلاوت کے معنی ہیں کہ سنانا تو اٹل چیز ہے، زمانہ بدل جائے ،کوئی ماڈرن زمانہ آجائے ،یہ اللہ کی کتاب ویسی کی ویسی رہے گی ۔اس کی ہدایت اسی طرح رہے گی جس طرح پہلے تھی ۔یہ سمجھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنا چاہیے کہ ہم کو آج اس کو سمجھنا ہے ۔یہ ہم کو بتاتی ہے کہ آج ہم زندگی کیسے بسر کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کا مقصد دنیا نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا ہو اور جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہوں ، ایسے لوگ تلاش کریں ۔ان کے ساتھی بن جائیں ،جماعت بنائیں ،سوسائٹی بنائیں ،تنظیم بنائیں ،تاکہ ان کے ساتھ مل کر ان کے ذریعے ہمارے ایمان میں اضافہ ہو۔تیسری بات یہ کہ اللہ نے جو ہم کو حق دیا ہے اسے دوسروں تک پہنچائیں۔

اس نسخہ شفا کے یہ تین اجزا ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ دنیا میں، فتنے کے زمانے میں، دنیا پرستی کے زمانے میں ، ہمیں ایمان کے راستے پر قائم رکھ سکتا ہے ، اگر ہم اس پر چلنا چاہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے ۔آمین!

مضبوط ایمان

قومیں صرف تاریخ کے سہارے زندہ نہیں رہتیں۔عہد ماضی کی کامرانیاں گذشتہ کسی زمانے کے کارنامے ،تاریخ کے کسی دور میں انجام دیا ہوا کوئی کردار خواہ کتنا ہی اہم ہو کسی قوم کی زندگی کی اساس نہیں بن سکتا ۔قومیں زندہ رہتی ہیں ،عمل پیہم ،جہد مسلسل ،ہمہ وقت حرکت و نشاط ،احساس ذمہ داری ،جان و مال کی قربانی ،جدت نادرہ کاری ،قوت و صلاحیت کے اظہار اور اپنی ضرورت و اہمیت تسلیم کرانے سے لیکن کوئی قوم اپنے خول میں بند ہوجائے اور اپنے منصب سے ہٹ جائے تو وہ تاریخ کی داستان بن کر رہ جاتی ہیں ،اور زمانہ اسے فراموش کردیتا ہیں ۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ملت اسلامیہ اپنا منصب سنبھالے اور دوبارہ دعوت ،اصلاحِ امت اور اقامت دین کا فریضہ انجام دے ۔

ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امت اسلامیہ جب تک دوسری تہذیبوں کی خوشہ چیں اور دوسروں کے دسترخوان کی زینت بنتی رہے گی جب تک غیر اسلامی تمدن کے موجوں میں الجھتی اور ان کے سمندر میں گلے تک ڈوبی رہے گی وہ انسانی تہذیب و تمدن میں اثر اندازی اور ان کی اصلاح و رہنمائی کی صلاحیت نہیں پیدا کرسکتی ۔اس میں اتنی بھی صلاحیت نہیں ہوگی کہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کرسکے یہ امت دوسروں کو اپنی تقلید پر اسی وقت آمادہ کرسکتی ہے جب اس کو مضبوط ایمان اور پختہ یقین ہو کہ اس کی تہذیب مستقل وجود اور دوسری تہذیبوں سے الگ اور ممتاز شناخت (Personilty) رکھتی ہیں۔

تاریخِ انسانیت کا جامع ترین انقلاب

سیّد اسعد گیلانیؒ

دنیا کے انقلابات کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کردہ انقلاب کو دیکھا جائے تو منصف مزاج انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس قدر جامع ،کلّی، ہمہ گیر اور ظاہرو باطن میں غالب و نافذ حضورؐ کا نافذ کردہ انقلاب ہے اس کے مقابلے میں دوسرے انقلابات قطعاً نامکمل اور ادھورے ہیں۔ دوسرے انقلابات تو بس زیادہ سے زیادہ عارضی طور پر ایک گروہ کے ہاتھ سے دوسرے گروہ کے ہاتھ میں انتقالِ اقتدار کے عمل کا نام ہے۔

اگر کوئی انسان ۲۳ سال پہلے عرب سے باہر چلا گیا ہوتا اور ۲۳ سال بعد یکا یک وہ مکہ، مدینہ اور ان علاقوں میں لوٹتا جہاں حضورؐ نے انقلاب برپا فرما دیا تھا، تو اسے اپنی آنکھوں پر اعتماد کرنا مشکل ہو جاتا۔ اس کے لیے یہ باور کرنا دشوار ہو جاتا کہ وہ اسی علاقے اور انہی لوگوں کے درمیان واپس آیا ہے جنھیں چھوڑ کر وہ گیا تھا۔ اس مختصر عرصے میں جو زبردست تبدیلی فرد فرد کے اخلاق، اعمال، گفتار، رفتار، کردار اور معاملات میں آ گئی تھی، اسے صرف معجزاتی قلبِ ماہیت ہی کہا جا سکتا ہے۔ عورتیں، مرد، بوڑھے، بچے، گلیاں، بازار، مجالس اور کاروبار ہر چیز ہی یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ ان کے لہجے، ان کے معمولات، ان کی دل چسپیاں، ان کے ذوق و شوق اور مصروفیات سبھی کچھ بدل گیا تھا۔ مسجد کے نام سے ایک نیا ادارہ وجود میں آ گیا تھا جو ہر محلے اور ہر بستی میں موجود تھا اور جس میں لوگ علمِ دین حاصل کرتے تھے۔ خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کے چرچے، قراتِ قرآن کی مجالس، علمی مشاغل کے مباحثے، جنگ و جدل کے بجائے جہاد فی سبیل اللہ کی باتیں، گپ بازی کے بجائے اوراد و وظائف، تضیعِ اوقات کے بجائے پانچ وقت کی نمازیں اور ان کے ساتھ وضو اور پاکیزہ مجالس کا اہتمام، جمعہ کو ہفتہ وار اجتماعات اور ملکی اور ملّی مسائل پر کھلے مباحثے۔ ناپ تول میں عدل، اوزان میں انصاف، باہمی انسانوں میں برابری اور مساوات، نہ نسل کا فخر اور نہ قبیلے کا زعم، نہ زبان کی برتری کے دعوے اور نہ رنگ کی سفیدی کا غرور۔ سارے انسان خدا کی مخلوق، ساری خدائی خدا کا قبیلہ، سارے انسان خدا کے بندے اور ان سب کا تنہا وہی ایک معبود جس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں ہے۔

غلط بیانی اور جھوٹ کے بجائے ہر طرف صداقت شعاری کا سکّہ رواں، وعدے کی پابندی، لین دین کا کھرا پن، خدا ترسی اور خدا خوفی کی کیفیت، نہ فحش باتیں اور نہ فحش کاری کے اڈے، نہ بے پردگی اور نہ بے حیائی، نہ مجالس میں بیہودہ گوئی اور نہ ایران و توران کی بے ہودہ داستانیں اور یاوہ گویاں، نہ باپ دادا پر فخر کے قصے اور نہ اپنی بڑائی کی ڈینگیں۔ سب سے بڑا نام صرف اللہ کا اور اس کے رسولؐ کے طریقے کی پیروی کا اہتمام ہی سب سے اعلیٰ طرزِ عمل قرار پایا۔

ہر طرف نظم و ضبط کا اہتمام، عدالتیں موجود لیکن جرائم نابود۔ اور اگر کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو متعلقہ فریق سے معافی حاصل کرنے میں سبقت یا عدالت کے سامنے خود اعترافِ خطا۔ عدالتیں سب کے لیے مساوی، خلیفہ سے لے کر عام انسان تک سب برابر، کسی کے درمیان کوئی امتیاز موجود نہیں۔ دکان دار خوفِ خدا سے لرزاں و ترساں، ناجائز نفع اندوزی کا تصور بھی غائب، ناقص مال دینے کا سوال ہی نہیں۔ اگر کسی شئے کا نقص گاہک سے پوشیدہ رہ گیا تو اس کے گھر تک پہنچ کر نقص کی وضاحت اور اس کی نسبت سے قیمت میں کمی یا مال کی واپسی۔ بزرگوں میں شفقت اور تعلیم و تربیت کا جذبہ، چھوٹوں میں ادب و احترام اور نصیحت حاصل کرنے کا احساس۔ آجر مزدور سے زیادہ حسّاس کہ اس کا حق اس کے ذمے رہنے نہ پائے اور اجیر آجر سے زیادہ حسّاس کہ اُجرت کے مطابق کام سرانجام پائے۔ سپاہی جہاد فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار اور اس کے لیے دین کی سربلندی کے لیے خدا کی راہ میں لڑنا، دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بہتر۔

ہمسایے میں یہ احساس زندہ و بیدار کہ اس کا ہمسایہ بھوکا نہ سونے پائے اور اس کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ غرض فرد فرد سر سے پا تک اور ظاہر سے باطن تک اس طرح بدل گیا کہ جیسے پہلے انسانوں کی آبادی وہاں سے منتقل کر کے کوئی دوسری انسانی آبادی وہاں لا کر بسا دی گئی ہو۔ ہر انسان احساسِ ذمہ داری، خدا کے سامنے جواب دہی، حق شناسی اور ادائیگی فرض سے سرشار اور پورا معاشرہ اسی کیفیت سے معمور۔ پوری جماعت اس اصول پر عمل پیرا کہ کُنتُمْ خَیرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنکَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ اور جماعت کا فرد فرد ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّة کی تصویر، اپنی زندگی کے گوشے گوشے کا نگراں کہ وہ دین سے باہر رہنے نہ پائے۔ شراب کا حکم نازل ہوا تو چند گھنٹے کے اندر پوری مملکت میں ظاہر و باطن نافذ اور ساری سلطنت شراب سے ایسی پاک ہو جائے کہ پھر وفادار مسلمان کے لیے شراب کا تصور بھی نہ کیا جا سکے۔ پردے کا حکم نازل ہو تو چند گھنٹے کے اندر اندر ہر ہر بالغ عورت مستور ہو جائے۔ نبیؐ کی آواز سے بلند تر آواز کرنے کے نتیجے میں اعمال ضائع ہونے کا خطرہ یاد دلایا جائے تو بڑے بڑے بلند آواز صحابہؓ سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے اور جن کی فطری آواز بلند ہو وہ روئیں کہ ہمارے اعمال ضائع نہ ہو گئے ہوں۔ خلافت کے لیے جوڑ توڑ اور سازش تو دُور کی بات ہے۔ ابو بکرؓ صدیق کو خلیفہ بنا ڈالا گیا تو وہ روتے تھے کہ کاش اس ذمہ داری کے مقابلے میں مَیں پرندہ ہوتا کہ آخرت میں اُمتِ محمدی کی جواب دہی مجھ پر نہ ہوتی۔ میں گھاس کا تنکا ہوتا کہ تنور میں جلایا جاتا اور خدا کے ہاں بازپُرس سے بچ جاتا۔ خلیفہ کو پانی طلب کرنے پر کسی نے شہد پیش کر دیا تو اس بات پر رو پڑے کہ کہیں دنیا مجھ سے نہ لپٹ جائے۔ امیر المومنینؓ کو نفس کی بڑائی کا ڈر ہوا تو منبر پر چڑھ گئے اور کہا: ''عمرؓ وہی تو ہے جو اپنی خالہ کی بکریاں مکہ کی وادی میں چرایا کرتا تھا''۔ حضرت علیؓ ڈاڑھی ہاتھ میں لے کر رویا کرتے اور کہتے کہ: ''اے دنیا! میں تجھے طلاق دے چکا، مجھ سے دُور رہ، تیرا آغاز شیریں اور تیرا انجام حسرت و یاس ہے''۔

غرض وہ انقلاب جو ۲۳ سال میں برپا ہوا، جس کے لیے حضور اکرمؐ نے آٹھ سال کی مدت میں ۲۷ غزوات کیے۔ گویا تقریباً ہر سال میں تین بار جہاد اور جس کے لیے حضورؐ نے اتنی سی مدت میں ۵۵ جہادی لشکر اپنے ساتھیوں کی سرکردگی میں روانہ کیے۔ جس انقلاب کے دوران حضورؐ ہر لمحہ مستعد اور تیار رہے، جس میں مدنی زندگی کی کشمکشِ جہاد میں ہر چند دن کے بعد ایک مہم لازماً درپیش رہی اور یہ آٹھ سالہ زندگی پوری جنگی کیمپ کی سی زندگی بن کر گزری۔ اخلاق و اعمال و کردار کا، عادات و اطوار کا، ظاہر و باطن کا، معمولاتِ زندگی اور پوری انسانی قلبِ ماہیت کا یہ انقلاب ایسی ہی زندگی میں رُونما ہوا جس میں آٹھ سال کے پورے عرصے میں ہر ۳۵ دن کے بعد کسی نہ کسی دشمن کی طرف سے کوئی نہ کوئی جنگی مہم درپیش ہوتی تھی۔ دن کو جنگی تیاریاں اور لشکروں کی روانگی اور راتوں کو چوکی پہرے اور مشورے ہوتے تھے۔ ان حالات میں اللہ کی اس زمین پر حضور اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کی خالص تائید اور نصرت سے ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔

انسان سوچتا ہے کہ جس آٹھ سالہ مہماتی زندگی میں تقریباً ہر مہینے میں ایک جنگ درپیش ہوتی ہو اس میں خون خرابے اور تباہی و بربادی کا کیا حال ہوگا، لیکن مؤرخین نے حضور اکرمؐ کے ساتھیوں اور فریق مخالف کے اس جنگی انقلاب کا افرادی نقصان کے لحاظ سے جو نقشہ پیش کیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس حیرت انگیز اسلامی انقلاب میں کل انسان جو کام آئے ہیں وہ صرف ۹۱۸ ہیں...... کون شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے بڑا غیر خونی انقلاب (bloodless revolution) بھی آج تک دنیا میں کبھی کوئی برپا ہوا ہے جس کے ذریعے انسان کا ظاہر و باطن ہی بدل جائے، معاشرہ سر سے پا تک تبدیل ہو جائے اور اس کی قدریں تک بدل جائیں۔ نظامِ مملکت اور نظامِ معیشت و سیاست سب کچھ بدل جائیں اور ۸۲ جنگوں میں صرف ۱۹۱۸ افراد کام آئیں۔ اس انقلاب نے انسانی تاریخ پر وہ خوش گوار اثر ڈالا ہے کہ پھر اس کے بعد ہی انسان سمجھ سکا ہے کہ وہ انسان اور اشرف المخلوقات ہے اور زمین پر وہ ایک ذمہ دار مخلوق اور خدا کا خلیفہ ہے۔

اس کے بعد ہی انسان کو کائنات کی حقیقت سے آگاہی ہوئی ہے اور اس نے کائنات اور اس کی ماہیت اور اس کے مالہ وما علیہ پر غور کرنا اور اسرارِ فطرت کے انکشاف اور علوم طبعی کے رُموز کی طرف پیش قدمی شروع کی ہے۔ اس انقلاب کے ذریعے حضورؐ نے جو نظام قائم فرمایا اس کی برکات صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی انسانی سینوں میں گونجتی ہیں۔ اس کے دیے ہوئے اخلاق، اس کا عطا کردہ تہذیب و تمدن، اس کی فراہم کردہ اخلاقی قدریں، انسان کے لیے اس کا دیا ہوا نظامِ زندگی فی الحقیقت ہلاکت خیز، ہتھیاروں کی بہتات کے درمیان ابر رحمت کا سایہ ہے۔

یہ نظام لرزاں و ترساں انسانیت کے لیے واحد پناہ گاہ، انسانیت کے لیے فخر ومباحات کا واحد ذریعہ، انسان کا زمین پر واحد قیمتی سرمایہ اور شرفِ انسانیت کے ماتھے پر جھومر ہے۔ صرف یہی ایک نظام ہے جو اپنی ساری عملی تفصیلات کے ساتھ اس طرح موجود ہے کہ اسے سر عام پڑے ہوئے خزانے کی طرح ہر وقت اُٹھا کر کاروبارِ زندگی میں لگایا جا سکتا ہے۔ وہ ہر دم زندہ، پائندہ اور تابندہ تر ہے اور انسانیت کے جدید ترین مسائل آج بھی اسی طرح حل کر سکتا ہے جس طرح اس نے اپنی آمد پر حل کر دیے تھے......اس انقلاب نے انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ بنایا اور عمل و کردار میں اسے فرشتہ سیرت بنا دیا اور یہ کام صرف ۲۳ سال کی مدت میں سرانجام پایا۔ اس انقلاب کو برپا کرنے والی سراپا رحمت ہستی کو اب ہم خاتم النبیںؐ اور رحمت للعالمینؐ نہ کہیں تو پھر کیا کہیں! (رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب)

(صفحہ 18 کا بقیہ) علاوہ ازیں بنیادی تربیت کے علاوہ بدلتے ہوئے حالات کے سلسلہ میں تربیت بھی ایک اہم پہلو ہے۔ رفقاء کی عمومی تربیت کے سلسلہ میں اجتماعیت کی طرف سے منعقد ہونے والے مختلف پروگرامات میں انکا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ اللہ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے، ہمیں اپنی تربیت کے ذریعہ سے خدا کے دین کو سربلندی دلانے والا کام کرنے والا بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

فارم نمبر (چار) Form 4

مالک : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ
پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ
ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ
وقفہ اشاعت : سہ ماہی
مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

وقت کیا ہے؟

سید ریحان

وقت کیا ہے؟ سونا ہے؟ چاندی ہے؟ ہیرا ہے؟ یا دولت ہے؟ نہیں بلکہ وقت زندگی ہے ۔ یہ تمام چیزیں بہت قیمتی ہیں لیکن وقت ان سے کئی زیادہ قیمتی ہے۔ان چیزوں کا وقت سے کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا ۔یہ اوران جیسی چیزیں گم ہوجائے تو مل سکتی ہے،چھن جائے تو ددوبارہ واپس آسکتی ہے ،ان کومحفوظ کیا جاسکتا ہے،ان کا لین دین بھی ہوسکتا ہے ،لیکن وقت کا ایسا کچھ نہیں ۔اس حوالے سے وقت کی اہمیت اور قدر وقیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔

وقت زندگی کیوں ہے؟ اگر کسی شخص کی عمر۴۰ سال ہے تو اس کی عمر کے یہ سال مہینوں سے مل کر بنتے ہیں،مہینے ،ہفتوں سے مل کر بنتے ہیں، ہفتے دنوں سے مل کر بنتے ہیں،اور دن گھنٹوں سے اور گھنٹے منٹ سے ،منٹ سیکنڈ سے تو پھر یہ گھنٹے ،سکینڈ کیا ہے یہ وقت ہی تو ہے اس لئے وقت زندگی ہے ۔قرآن مجید میں جابجا ان چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ۔جن کا تعلق براہ راست یا بالراست وقت سے ہے مثلاً!

والعصر: زمانے کی قسم......

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی ۔ (سورہ الفجر)

قسم ہے روزِ روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ طاری ہوجائے ۔(سورہ الضحیٰ)

سورج اور اُس کی دھوپ کی قسم،اور چاند کی قسم جب کہ وہ اُس کے پیچھے آتا ہے۔ (سورہ الشّمس)

مفسرین کہتے ہیں کہ جب اللہ مختلف چیزوں کی قسم کھاتا ہے تو اس سے اس کا مطلب ،ان چیزوں کی عظمت کی طرف متوجہ کرنا اوران کے عظیم فائدوں اور اثرات سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔

اسلام وقت کواور اس کی تنظیم کو کتنی اہمیت دیتا ہے؟اس بات کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہے کہ اسلام میں عبادات اپنے مقررہ وقت پر فرض ہے۔مثلاً'' ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتبا موقوتا''(ترجمہ)اس طرح دیگر عبادات بھی ۔تمام تر لوازمات دسترخوان پر روزہ دار کے سامنے ہیں،لیکن کیا مجال کہ وقت سے آدھا منٹ پہلے بھی وہ کوئی چیز منہ میں ڈال دے۔یا پھر وقت ہونے کے بعد بھی وہ افطار نہ کریں۔یہ تمام عبادات ایک مسلم کو وقت کی اہمیت سے آگاہ کرواتی ہے اور اسے وقت کی تنظیم کا پابند کرواتی ہے۔لیکن اگر یہ تمام چیزیں کرنے کے باوجود ایک نمازی،روزہ دار یا حاجی اگر وقت کو ضائع کرے ،اس کی تنظیم نہ کرے ۔تو یہ بڑی بدبختی کی بات ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہے کہ محمد الرسول اللہؐ کے فرمان سے ہمیں وقت کی اہمیت کا کیسے پتہ چلتا ہے

آپؐ نے ارشاد فرمایا، پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔

اپنی جوانی کو بُڑھاپے سے پہلے
اپنی صحت کو بیماری سے پہلے
اپنی کشادگی کو فقر وفاقہ سے پہلے
اپنی زندگی کو موت سے پہلے
اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے (مسلم)

آپؐ کے فرمان کے مطابق جن پانچ سوالوں کے جوابات دیئے بغیر ابنِ آدم کے قدم ہٹ نہیں سکیں گے اُن میں سے دو سوال یہ ہونگے کہ عمر کن مشغلوں میں گذاری اور جوانی کہاں صرف کی۔(ترمذی)

ان احادیث کو اگر کوئی صحیح سے سمجھ لیں اوران پر عمل کرنے کی ٹھان لیں تو اس کی دنیا اورآخرت دونوں سنور سکتی ہے،

ان دونوں احادیث میں عمر کا، شباب کا، زندگی کا اور فرصت کا تذکرہ ہوا ہے۔ان تمام کا براہِ راست تعلق وقت سے ہے، وقت ہی تو عمر ہے، وقت ہی تو شباب ہے، وقت ہی تو زندگی ہے، وقت ہی تو فرصت ہے۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا دو نعمتیں ہیں، اکثر لوگ (ان کے غلط استعمال کی وجہ سے) خسارے اور گھاٹے میں رہیں گے، وہ ہے صحت اور فراغت۔ (بخاری)

اس حدیث کو پڑھنے کے بعد اس سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں، اگر ہم اپنے اطراف میں نظر دوڑاتے ہیں تو آپ کا یہ فرمان صدفی صد درست نظر آتا ہے اور آپؐ پر ایمان و یقین اور آپؐ سے محبت و عقیدت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیا عالم کیا جاہل، کیا دین دار اور کیا بے دین، کیا مولانا اور کیا اسکالر، کیا مرد اور کیا عورت، کیا بوڑھا اور کیا جوان اور بچے۔ اکثریت ان دو عظیم نعمتوں کے متعلق غفلت کا شکار ہے۔

صبح جاگنے پر بندۂ مومن کو جو دعا سکھلائی گئی جس کا ترجمہ ہے ”تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے موت کے بعد مجھے زندگی دی اور اسی کے طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے“ اس میں بڑا دلچسپ پہلو ہے۔ رات میں یہ بندۂ خدا جب سویا تھا تو اللہ کو یہ کہہ کر کہ ”تیرے ہی نام کے ساتھ مرتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ جیتا ہوں“ اب گویا صبح اسے دوبارہ زندگی ملی ہے، وقت ملا ہے، تو اسے شکر ادا کرنا سکھایا گیا ہے۔

جب صبح ہوتی ہے تو ہر کس و ناکس کو گویا ایک تھیلی عطا کی جاتی ہے، جس میں 24 گھنٹے ہوتے ہے، ۔۔۔۔ایک فقیر کو اتنے ہی اور ایک بادشاہ کو بھی اتنے ہی، اور یہ تھیلی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کوئی اسے اگلے روز کے لئے بچانا چاہے تو بچا بھی نہیں سکتا، یا تو یہ استعمال ہو جاتی ہے یا ضائع ہو جاتی ہے۔ کوئی ریفریجریٹر ایسا ایجاد نہیں ہوا جو وقت کو بچا سکے۔ کسی بینک میں وقت کو safe نہیں کیا جا سکتا۔ کسی سے ادھار لے نہیں لے سکتے اور نہ کسی کو ادھار دے سکتے ہیں، نہ اسے چرایا جا سکتا ہے۔ وقت کی فطرت میں برق رفتاری ہے یہ گذر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا ایسی کونسی بات ہے کہ جسے سن کر اگر میں خوش ہوں تو غمگین ہو جاؤں اور اگر غمگین ہوں تو خوش ہو جاؤں، کچھ دیر کے لئے سناٹا رہا، پھر ایک درباری نے کہا، بادشاہ سلامت وہ بات یہ ہے کہ ”یہ وقت بھی گذر جائے گا“۔

اگر ہم اپنے اسلاف کے اقوال اور اعمال پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ وقت کو لیکر کتنے حساس تھے۔

حضرت ابو بکرؓ: ”اے اللہ ہمیں کہیں اندھیرے میں نہ رہنے دے، ہماری کج فہمیو ں پر ہمیں نہ پکڑ اور ہمیں وقت سے بے پرواہی والا نہ بنا۔“

حضرت عمرؓ: ”اے اللہ! میرے لئے اوقات میں برکت فرما اور انہیں صحیح مصرف میں لانے کی توفیق دے“۔

جنید بغدادی وقت اور احتساب کے بارے میں فرماتے کہ تم ہر لمحے یہ دیکھتے رہو کہ اللہ سے کتنے قریب ہوئے، شیطان سے کتنے دور ہوئے، جنت سے کتنا قریب ہوئے اور دوزخ سے کتنا دور ہوئے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جس نے وقت کا حق پہچان لیا اس نے زندگی کی حقیقت پالی کیونکہ وقت ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔

عامر بن قیس سے جب کوئی کہتا کہ آؤ بیٹھ کر باتیں کریں تو آپ کا جواب ہوتا کہ سورج کو بھی ٹھہرالو!

فتح بن خاقان ساتھ میں کتابیں لیے رہتے جب کبھی موقع ملتا تو پڑھنا شروع کردیتے۔

امام فخر الدین رازیؒ جنہوں نے ۱۰۰ کتابیں تصنیف کی، تفسیر کبیر لکھی وہ کہتے ہیں کہ کھانے پینے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے مجھے اس کا بھی افسوس رہتا ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے کہ اے آدم کے بیٹے تو مجموعہ ایام ہے جب ایک دن گزر گیا تو گویا تیری زندگی کا کوئی حصہ گزر گیا۔

وقت سے ہماری غفلت

وقت جتنی قیمتی شئے ہے اسے ضائع کرنا اتنا ہی آسان ہے۔ وقت کو ضائع کرنے کے لئے آپ کو کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ اس کا صحیح استعمال نہ کرنا ہی وقت کو ضائع کرنا ہے۔ آج مجلسوں، چوراہوں اور سڑکوں اور میدانوں میں جمع لوگوں سے سننے کو یہی ملتا ہے کہ وہ وقت کاٹ (time pass) رہے ہیں۔

علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ ''حالانکہ ان نادانوں کو نہیں معلوم وہ وقت کو نہیں حقیقت میں اپنے آپ کو کاٹ رہے ہیں''۔ یہ درحقیقت سست رفتار خودکشی ہے، جس کا ارتکاب بر سر عام ہو رہا ہے۔

مصطفٰی محمد طحان نے دل کو چھونے والی بات کہی، حالانکہ الفاظ بہت سخت ہے۔لیکن آج ہماری صورتحال یہی ہے۔

''جب تم کسی ایسی قوم کو دیکھو گے، جس کے نوجوان اور بوڑھے راستوں پر یا چائے خانوں میں بے مقصد پھر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کے وہ کیوں پیدا کیے گئے ہیں، وہ کیا کر رہے ہیں، جب ان کو بھوک ستاتی ہے تو جہاں کھانا ملتا ہے چلے جاتے ہیں، ان کے دن، رات اور صبح و شام میں کوئی فرق نہیں، وہ اپنا کوئی مقصد نہیں جانتے، وہ زمانے میں دربدر بھٹکتے رہتے ہیں ایسے لوگ تم سے کہہ نہیں سکتے کہ ہم یہاں کیوں ہیں اور وہاں کیوں۔ جب تمھاری نظر ایسی قوم پر پڑے تو جان لو کہ یہ مردار قوم ہے، اس میں کوئی زندگی نہیں۔ یہ بدحالوں کی قوم ہے جن کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

وارحمناہ للبائسین فانھم
موتی و نحسبھم من الا حیاء

''ان بے چاروں پر رحم کھاؤ، یہ مرے ہوئے لوگ ہیں اور ہم ان کو زندوں میں شمار کرتے ہیں۔''

وقت سے غفلت کی ایک بڑی وجہ ملت اسلامیہ کی ذہنی اور فکری غلامی بھی ہے۔ برسہا برس سے اس کے جسم تو آزاد ہے (اب وہ بھی قید ہو رہے ہیں) لیکن فکر پر اور جذبہ حریت پر باطل سوار ہے، اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حُر کے لئے جہاں میں فراغ

جدید تیکنالوجی کے اس دور میں ٹائم پاس کے ذرائعوں میں بھی تبدیلی آئی ہیں۔اب وقت کو ضائع کرنے چوراہوں، مجلسوں اور چائے خانوں پر جانا ضروری نہیں رہا۔اب ہاتھوں میں جدید موبائیل ہے جس میں whatsapp ، Face book اور دیگر مختلف applictions چل رہی ہیں، اور گھنٹے یوں ہی گزر رہے ہے۔ فحش، بیہودہ، بیکار کی باتیں بھی ہو رہی ہے۔اور (معافی کے ساتھ) تبلیغ و دعوت، خدمت، جہاد اور غلبۂ اسلام کی کوششوں کا میدان بھی یہیں مرتکز ہو کر رہ گیا ہے۔

اگر ہم واقعی وقت کے سلسلے میں حسّاس ہیں یا ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں ان تمام فضول کاموں کو خیرآباد کرنا پڑیگا جس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں جو صرف وقت کے زیاں کا باعث ہے۔ آپؐ نے فرمایا، ایمان لانے کا بہترین عمل یہ ہے کے تمام فضول کاموں کو چھوڑ دیا جائے۔'لغویات اللہ کو کتنی زیادہ ناپسند ہے 'اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''لغو باتوں کا نہ ہونا'' اسے جنّت کی نعمتوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ لاتسمع فیھا لاغیہ (کوئی بے ہودہ بات وہ (جنّتی) وہاں نہ سنیں گے)

سورہ المومنون میں جن چنندہ صفات کی بنیاد پر جنّت کی ضمانت دی گئی ہے اس میں ایک یہ ہے کے عن اللغو معرضون (لغویات سے دور رہتے ہیں)۔اور ایک مومن سے بڑھ کر کوئی اور وقت کا قدرشناس کیوں کر ہوسکتا ہے جبکہ اسے یہ سکھایا اور پڑھایا گیا ہے کے اسے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے۔ لمحہ جو سیکنڈ کا بھی جز ہے۔ تو جس کے احساس میں لمحوں کا احتساب والی بات ہو وہ اپنے گھنٹے اور دن فضول اور لایعنی کاموں میں کیسے ضائع کر سکتا ہے۔ بقول جنید بغدادی وہ تو ہر لمحہ یہ دیکھے گا کہ وہ اللہ سے کتنا قریب ہوا۔۔۔

وقت کی تنظیم

کوئی شخص وقت کی تنظیم یا منصوبہ بندی اسی وقت کر سکتا ہے جب اسے وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہو۔ جس کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہی نہ ہو وہ اس کی تنظیم اور منصوبہ بندی کی فکر کیوں کر کرسکتا ہے۔ انگریزی کا ایک بہت اچھا قول ہے جس سے ہمیں منصوبہ بندی کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔''If you fail to plan, you plan to fail'' جسکا مفہوم ہے کے منصوبہ بندی نہ کرنا، ناکام ہونے کی منصوبہ بندی کرنا ہے۔ کوئی اگر وقت کی تنظیم نہ کرے تو وہ نہ صرف خود کا نقصان کرتا ہے بلکہ اس کے اِس عمل سے دیگر لوگوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

کسی پروگرام میں آپ کو تقریر کرنی ہے اور آپ اگر ۱۰ منٹ لیٹ ہوجاتے ہیں تو صرف ۱۰ منٹ ضائع نہیں ہوئے بلکہ اگر اس پروگرام میں ۱۰۰ شرکاء ہے تو گویا آپ نے ۱۰۰۰ منٹ ضائع کیے۔

وقت کی یومیہ منصوبہ بندی کی بہت ضرورت ہے۔جس دن کی منصوبہ بندی کرنا ہے اس کے پہلی والی رات یا اس دن صبح میں تمام کاموں کی فہرست مرتّب کرلیں یا آپ ہفتہ بھر کی فہرست بھی مرتّب بھی کر سکتے ہو اور پھر اسے دنوں میں بانٹ سکتے ہو۔یومیہ کاموں کی فہرست میں یہ طے کیجیے کے سب سے اہم کام کونسا ہے۔جتنا اہم کام ہے اسے نشاط اور چستی والے اوقات میں انجام دینا چاہیے۔اہم اور فوری کاموں میں تفریق ہونا چاہیے۔ایک کام کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو لیکن ضروری نہیں کے وہ فوری انجام دیا جائے۔ ویسے ہی کسی کام اہمیت کم ہوتی ہے لیکن اسے فوری انجام دیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے کاموں کا آغاز علی الصبح ہونا چاہیے۔ان میں بے انتہا برکت ہوتی ہے۔اور کیوں نہ ہو جب کہ آپؐ نے دعا مانگی تھی ’’اے اللہ میری امّت کے صبح کے کاموں میں برکت عطا فرما‘‘(احمد)۔دنیا کے اندر جتنے بڑے لوگ گزرے ہیں وہ رات جلد سو جایا کرتے تھے اور ان کی صبح جلد ہوجایا کرتی تھی۔

سب سے اہم بات یہ کہ تمام تر وقت کی منصوبہ بندی کو عمل میں لانے کے لئے جذبہء اندرون کی ضرورت ہوتی ہے۔ کتنی ہی فہرست بن جائے ،کتنی ہی منصوبہ بندی ہوجائے محض آرزوؤں اور تمناؤں سے کام نہیں ہوا کرتے۔’’ڈائری میں یومیہ کاموں کی فہرست تو مرتب ہوگئی تھی لیکن صبح ہوئی ،دن گذرا اور رات بھی گزر گئی لیکن ڈائری کھولنے کا خیال ہی نہیں آیا‘‘۔انھی آرزوؤں کے متعلق حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی ’’خبردار! آرزوؤں پر کبھی بھروسہ نہ کرنا، یہ بیوقوفوں کا سرمایہ ہے۔‘‘

ایک بنیادی چیز جو وقت کو ضائع کرتی ہے اور،جس سے تنظیمِ وقت متاثر ہوتی ہے وہ ہے ٹال مٹول کی عادت ،کل کا انتظار ’اچھے‘ وقت کا انتظار حالانکہ کل کا لفظ دھوکہ ہے۔عقلمند کے رجسٹر میں ’کل‘ نہیں ہوتا اور بیوقوفوں کے رجسٹر میں یہ لفظ کثرت سے ملتا ہے۔ایک بہت پیارا مقولہ ہے،’’شاہ راہِ کامیابی پر کچھ اپاہج لوگ کل کا انتظار کر رہے تھے‘‘۔ہمارے اسلاف میں سے بہت سے مشہور اور بزرگ شخصیت ابن قیمؒ اس ٹال مٹول کے بارے میں کہا ’’ٹال مٹول کرنے سے بچو کیونکہ یہ ابلیس کا سب سے بڑا لشکر ہے۔میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔پھر ٹال مٹول کی عادت سے بچو،تم سے پہلے والوں کو ٹال مٹول نے ہی ہلاک کیا۔‘‘

حسن بصریؒ فرماتے ہیں:’’ٹال مٹول سے بچو،اسلیے کہ تمھارا تعلق آج سے ہے نہ کہ آنے والے کل سے،اور وہ ’’کل‘‘ تمھیں مل بھی جائے تو اُسکے ساتھ وہی معاملہ کرو جو تم نے’’ آج‘‘ کے ساتھ کیا تھا۔اور اگر ’کل‘ ،تمھارا نہ ہوا تو تم کو آج کی کوتاہیوں پر پچھتانا پڑے گا۔‘‘

ہر کام وقت پر کرنے کی عادت

کسی شخص کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بامِ عروج پر پہنچا سکتی ہے۔اور جو لوگ پہلے سے بامِ عروج پر ہیں اگر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے۔یہ ان کی شخصیت کا بہت واضح پہلو ہیکہ وہ ٹال مٹول نہیں کرتے ہر کام وقت پر کرتے ہیں۔ٹال مٹول کی عادت کی ایک بڑی وجہ سستی اور کاہلی ہے ،اور سست اور کاہل لوگ کبھی کوئی کام حسن کے ساتھ نہیں کر سکتے۔اسلام نے بھی سستی اور کاہلی کو سخت ناپسند کیا ہے یہی وجہ کہ صبح و شام کی دعاؤں میں ایک طویل دعا کا یہ ٹکڑا ہے کہ

’’۔اے میرے رب! میں سستی اور برے بڑھاپے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔۔‘‘ (صحیح مسلم)

اس کے علاوہ دوسری اور ایک مشہور دعا کا ٹکڑا ہے،

’’۔اے اللہ میں بے بسی اور سُستی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔۔‘‘(مسلم)

وقت کی اہمیت اور اس کے تنظیم

اور اس طرح دیگر چیزوں کو سیکھنے سمجھنے کے لئے امت مسلمہ کو کہیں اور للچائی ہوئی نگاہ اور مرعوبیت کے ساتھ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔اسلام کی وسیع تعلیمات ہی ہماری شخصیت کے نکھار اور اس کی تعمیر کے لیے کافی ہے۔

حیاتِ اقبال کا سبق

مولانا سید ابولاعلیٰ مودودیؒ

دنیا کا میلان ابتداء سے جدید ترین دور تک ''اکابر پرستی'' (Hero Worship) کی جانب رہا ہے۔ ہر بڑی چیز کو دیکھ کر ہذا ربی ہذا اکبر کہنے کی عادت ،جس کا ظہور قدیم ترین انسان سے ہوا، آج تک اس سے نہیں چھوٹی ہے۔ جس طرح دو ہزار برس پہلے بودھ کی عظمت کا اعتراف اس مخلوق کے نزدیک بجز اس کے اور کسی صورت سے نہ ہوسکتا تھا کہ اس کا مجسمہ بنا کر اسکی عبادت کی جائے، اسی طرح آج بیسوی صدی میں دنیا کی سب سے سخت منکر عبودیت قوم (روس) کا ذہن لینن کی بزرگی کے اعتراف کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں سوچ سکتا کہ اس کی شخصیت کے آگے مراسم عبودیت بجالائے۔

لیکن مسلمانوں کا نقطۂ نظر اس باب میں عام انسانوں سے مختلف ہے۔ اکابر پرستی کا تصور اس کے ذہن کی افتاد سے کسی طرح میل نہیں کھاتا۔ وہ بڑوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی صرف ایک ہی صورت سوچ سکتا ہے ۔یعنی ''اللہ نے ان کو زندگی کا سیدھا راستہ بتایا تھا جس پر چل کر وہ بزرگی کے مراتب تک پہنچے، لہذا ان کی زندگی سے سبق حاصل کرو اور اس کے مطابق عمل کرو''

اسی نقطۂ نظر سے میں اس مختصر سے مضمون میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اقبال کی عظمت کا جو سکہ ان کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے، اس کی زندگی کیا سبق دیتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اقبال نے یہی مغربی تعلیم حاصل کی تھی جو ہمارے نوجوان انگریزی یونیورسٹیوں سے حاصل کرتے ہیں، یہی تاریخ، یہی ادب یہی اقتصادیات ،یہی سیاسیات ،یہی قانون اور یہی فلسفہ انھوں نے پڑھا تھا۔ اور ان فنون میں بھی وہ مبتدی نہ تھے بلکہ منتہی فارغ التحصیل تھے خصوصاً فلسفہ میں تو ان کو امامت کا مرتبہ حاصل تھا جس کا اعتراف موجودہ دور کے اکابر فلاسفہ تک کر چکے ہیں ۔جس شراب کے دو چار گھونٹ پی کر بہت سے لوگ بہکنے لگتے ہیں، یہ مرحوم اس کے سمندر پیئے بیٹھا تھا۔ پھر مغرب اور اس کی تہذیب کو بھی اس نے محض ساحل پر سے نہیں دیکھا تھا جس طرح ہمارے ۹۹ فیصد نوجوان دیکھتے ہیں ۔ بلکہ وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر تہہ تک اتر چکا تھا اور ان سب مرحلوں سے گزرا تھا جن میں پہنچ کر ہماری قوم کے ہزاروں نوجوان اپنے دین وایمان، اپنے اصول تہذیب وتمدن اور اپنے قومی اخلاق کے مبادی تک سے برگشتہ ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ اپنی قومی زبان تک بولنے کے قابل نہیں رہتے ۔

لیکن اس کے باوجود اس شخص کا حال کیا تھا؟ مغربی تعلیم وتہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی تہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی وجود باقی ہی نہیں رہا۔ وہ جو کچھ سوچتا تھا قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا ،جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا ۔حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شے واحد تھے اور اس شے واحد میں وہ اس طرح فنا ہوگیا تھا کہ اس دور کے علماء دین میں بھی مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو فنائیت فی القرآن میں اس امام فلسفہ اور اس ایم، اے ،پی، ایچ، ڈی، بار ایٹ لا سے لگا کھاتا ہو۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آخری دور میں اقبال نے تمام کتابوں کو الگ کر دیا تھا اور سوائے قرآن کے اور کوئی کتاب وہ اپنے سامنے نہ رکھتے تھے۔ سالہا سال تک علوم و فنون کے دفتروں میں غرق رہنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے تھے وہ یہ تھا کہ اصل علم قرآن ہے، اور یہ جس کے ہاتھ میں آجائے وہ دنیا کی تمام کتابوں سے بے نیاز ہے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان کے پاس فلسفہ کے چند سوالات بھیجے اور انکا جواب مانگا۔

ان کے قریب رہنے والے لوگ متوقع تھے کہ اب علامہ اپنی لائبریری کی الماریاں کھلوائیں گے اور بڑی بڑی کتابیں نکلوا کر ان مسائل کا حل تلاش کریں گے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لائبریری کی الماریاں مقفل کی مقفل رہیں، اور وہ صرف قرآن ہاتھ میں لے کر جواب لکھوانے بیٹھ گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ ان کی والہانہ عقیدت کا حال اکثر لوگوں کو معلوم ہے مگر یہ شاید کسی کو نہیں معلوم کہ انھوں نے اپنے سارے تفلسف اور اپنی عقلیت کا رسول عربیؐ کے قدموں میں ایک متاع حقیر کی طرح نذر کر کے رکھ دیا تھا۔حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں، پرانے مولوی تک کان کھڑے کرتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں، یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم پر ایمان رکھتا تھا اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں شک کا گزر نہ ہوتا تھا۔ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان کے سامنے بڑے اچنبھے کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا کہ جس میں بیان ہوا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب ثلاثہ کے ساتھ کوہ احد پر تشریف رکھتے تھے، اتنے میں احد لرزنے لگا اور حضورؐ نے فرمایا ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبیؐ، ایک صدیق، اور دو شہید کے سوا کوئی نہیں ہے۔اس پر پہاڑ ساکن ہوگیا۔“ اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے؟ میں اس کو استعارہ ومجاز نہیں بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے آکر مادے کے بڑے سے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں، مجازی طور پر نہیں، واقعی لرز اٹھتے ہیں۔

اسلامی شریعت کے جن احکام کو بہت سے روشن خیال حضرات فرسودہ اور بوسیدہ قوانین سمجھتے ہیں اور جن پر اعتقاد رکھنا ان کے نزدیک ایسی تاریک خیالی ہے کہ مہذب سوسائٹی میں ان کی تائید کرنا ایک تعلیم یافتہ آدمی کے لئے ڈوب مرنے سے زیادہ بدتر ہے۔اقبال نہ صرف ان کو مانتا اور ان پر عمل کرتا تھا، بلکہ برملا ان کی حمایت کرتا تھا اور اسکو کسی کے سامنے ان کی تائید کرنے میں باک نہ تھا۔اس کی معمولی مثال سن لیجیے، ایک مرتبہ حکومت ہند نے ان کو جنوبی افریقہ میں اپنا ایجنٹ بنا کر بھیجنا چاہا اور یہ عہدہ انکے سامنے باقاعدہ پیش کیا مگر شرط یہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کو پردہ نہ کرائیں گے اور سرکاری تقریبات میں لیڈی اقبال کو ساتھ لے کر شریک ہوا کریں گے۔اقبال نے اس شرط کے ساتھ یہ عہدہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور خود لارڈ ولنگڈن سے کہا کہ ”میں بے شک ایک گنہگار آدمی ہوں، احکام اسلام کی پابندی میں بہت کوتاہیاں مجھ سے ہوتی ہیں، مگر اتنی ذلت اختیار نہیں کرسکتا کہ محض آپ کا ایک عہدہ حاصل کرنے کے لئے شریعت کے حکم کو توڑ دوں۔“

اقبال کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ فقط اعتقادی مسلمان تھے، عمل سے ان کو کچھ سروکار نہ تھا۔اس بدگمانی کے پیدا کرنے میں خود ان کی افتاد طبیعت کا بھی بہت کچھ دخل ہے، ان میں کچھ فرقہ ملامتیہ کے سے میلانات تھے جن کی بنا پر اپنی رندی کے اشتہار دینے میں انھیں کچھ مزا آتا تھا۔ورنہ حقیقت وہ اتنے بے عمل نہ تھے۔قرآن مجید کی تلاوت سے ان کو خاص شغف تھا اور صبح کے وقت بڑی خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔مگر اخیر زمانے میں طبیعت کی رقت کا یہ حال ہوگیا تھا کہ تلاوت کے دوران میں روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور مسلسل پڑھ ہی نہ سکتے تھے۔نماز بھی بڑے خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے مگر چھپ کر۔ظاہر میں یہی اعلان تھا کہ نرا گفتار کا غازی ہوں۔

ان کی سادہ زندگی اور فقیرانہ طبیعت کے حالات ان کی وفات ہی کے بعد لوگوں میں شائع ہوئے ورنہ عام خیال یہی تھا کہ جیسے اور ”سر صاحبان“ ہوتے ہیں ویسے ہی وہ بھی ہونگے اور اسی بنا پر بہت سے لوگوں نے یہاں تک بلا تحقیق لکھ ڈالا تھا کہ ان کی بارگاہ عالی تک رسائی کہاں ہوتی ہے۔لیکن یہ شخص حقیقت میں اس سے بھی زیادہ فقیر منش تھا جتنا اس کی وفات کے بعد لوگوں نے اخبارات میں بیان کیا ہے۔ایک مرتبہ کا ذکر سن لیجئے جس سے اس نائٹ اور بیرسٹر کی طبیعت کا آپ اندازہ کرسکیں گے، پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے ایک قانونی مشورہ کے لئے اقبال اور سر فضل

حسین مرحوم اور ایک اور مشہور قانون داں اصحاب کو اپنے ہاں بلایا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ رات کو جس وقت اقبال اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لئے گئے تو ہر طرف عیش و تنعم کے سامان دیکھ کر اور اپنے نیچے نہایت نرم اور قیمتی بستر پا کر معاً ان کے دل میں خیال آیا کہ جس رسولؐ پاک کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوئے ہیں اس نے بوریئے پر سو سو کر زندگی گزاری تھی، یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی۔ اس بستر پر لیٹنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا، اٹھے اور برابر کے غسل خانے میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور مسلسل رونا شروع کر دیا۔ جب ذرا دل کو قرار آیا تو اپنے ملازم کو بلا کر اپنا بستر کھلوایا اور ایک چارپائی اس غسل خانہ میں بچھوائی اور جب تک مقیم رہے، غسل خانے ہی میں سوتے رہے۔ یہ وفات سے کئی برس پہلے کا واقعہ ہے جب باہر کی دنیا ان کو سوٹ بوٹ میں دیکھا کرتی تھی۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ اس سوٹ کے اندر جو شخص چھپا ہوا ہے اس کی اصلی شخصیت کیا ہے؟ وہ ان لوگوں میں سے نہ تھا جو سیاسی اغراض کے لئے سادگی و فقیری کا اشتہار دیتے ہیں اور سوشلسٹ بن کر غریبوں کی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں مگر پبلک کی نگاہوں سے ہٹ کر ان کی تمام زندگی رئیسانہ اور عیش پسندانہ ہے۔

اقبال کے نائٹ ہڈ اور سر شفیع مرحوم جیسے حضرات کے ساتھ ان کے سیاسی رشتہ کو دیکھ کر عام خیال یہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ محض شاعری ہی میں آزاد خیال تھے عملی زندگی میں آزاد خیالی ان کو چھو کر بھی نہ گزری تھی بلکہ وہ نرے انگریز کے غلام تھے۔ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کے قریب جو لوگ رہے اور جن کو گہرے ربط وضبط کی بناء پر ان کی اندرونی زندگی اور ان کے اندرونی خیالات کا علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ انگریزی سیاست سے ان کو خیال اور عمل دونوں سے سخت نفرت تھی۔ بارگاہ حکومت سے وہ کوسوں دور بھاگتے تھے۔ سرکار اور اس کے پرستار دونوں ان سے سخت بدگمان تھے اور ان کی ذات کو اپنے مقصد میں حارج سمجھتے تھے۔ سیاسیات میں ان کا نصب العین محض کامل آزادی ہی نہ تھا بلکہ وہ آزاد ہندوستان میں ''دارالسلام'' کو اپنا مقصود حقیقی بنائے ہوئے تھے۔ اس لئے کسی ایسی تحریک کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھے جو ایک دارالکفر کو دوسرے دارالکفر میں تبدیل کرنے والی ہو۔ صرف یہی وجہ ہے کہ انھوں نے عملی سیاسیات میں ان لوگوں کے ساتھ مجبوراً تعاون نہ کیا جو برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ ہندو راج کے قیام کی مخالفت کر رہے تھے۔ گو مقاصد کے اعتبار سے ان میں اور اس طبقہ میں کوئی ربط نہ تھا۔ مگر صرف اس مصلحت نے ان کو اس طبقہ کے ساتھ جوڑ رکھا تھا کہ جب تک مسلم نوجوانوں میں ''دارالسلام'' کا نصب العین ایک آتش فروزاں کی طرح بھڑک نہ اٹھے اور وہ اسکے لئے سرفروشانہ جدوجہد پر آمادہ نہ ہوں اس وقت تک کم از کم انقلاب کے رخ کو بالکل دوسری جانب پلٹ جانے سے روکے رکھا جائے۔ اس بنا پر انھوں نے ایک طرف اپنی شاعری سے نوجوانان اسلام کے دلوں میں وہ روح پھونکنے کی کوشش کی جس سے سب لوگ واقف ہیں اور دوسری طرف عملی سیاسات میں وہ روش اختیار کی جس کے اصل مقصود سے چند خاص آدمیوں کے سوا کوئی واقف نہیں، اور جس کے بعض ظاہری پہلوؤں کی وجہ سے وہ خود اپنے بہترین عقیدت مند معترفین تک کے طعنے سنتے رہے۔

میڈیا کا کردار

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

عصرِ حاضر میں جہاں انسان نے اپنی قابلیت واستعداد کے جوہر متعدد شعبہ ہائے زندگی میں دکھلائے ہیں، ان میں ذرائع وسائل یا ذرائع ابلاغ ایک اہم موضوع ہے جو اکیسویں صدی کے ترقی یافتہ انسان کا موضوع بحث ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ وہ اہم شعبہ ہے جس میں انسان اپنی جودتِ طبع اور کمال و استعداد کا ناطق ثبوت پیش کررہا ہے۔ ذرائع وسائل کا استعمال خواہ قومی سطح پر ہو یا بین الاقوامی سطح پر، تعمیر وتخریب دونوں مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ سعادت مند ہے وہ فرد یا قوم جو وسائل کا استعمال ذاتی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے کرتی ہے، جب کہ ان وسائل کا منفی مقاصد کے لیے استعمال ملک وقوم کے مفاد کے منافی ہے۔

اصطلاح میں اس لفظ کی تعبیر ذرائع ابلاغ وترسیل یا وسائل نشرواشاعت سے ہوتی ہے۔ اس وقت بالعموم دو قسم کے ذرائع ابلاغ معروف ہیں۔ ایک کو طباعتی ذرائع ابلاغ (Print Media) سے جانا جاتا ہے، جب کہ دوسرے کو برقیاتی ذرائع ابلاغ (Electronic Media) کہا جاتا ہے۔ بلاشک وتردد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثبت اور منفی دونوں طریقوں سے ان کا استعمال ہوتا ہے۔ میڈیا پر جس طبقے کا غلبہ ہوتا ہے یا جو برسرِ اقتدار حکومت ہوتی ہے، وہ بہرحال تعصب و جانب داری کی دلدل سے نہیں نکل پاتی اور پھر اس کے مثبت اثرات ونتائج مجروح ہونے سے بچ نہیں پاتے۔ دنیا کی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی تنظیمات، سب کا حال یہی ہے۔ یورپ، امریکا اور روس کی حکومتوں کو دیکھیے، اسی کے ساتھ مشرقی حکومتوں کو بھی دیکھیے کہ وہ فاسق الخیال، فاسدالمقاصد، جن کے مقاصد تخریبی، جن کی زندگی فاسد، جن کے اخلاق خراب، جن کے افکاروخیالات فاسد، ان سبھوں نے ایک اجتماعی نظام بنایا ہے اور وہ اجتماعی نظام قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کررہا ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ اس گروہ کا جادو چل رہا ہے جس کے ہاتھ میں ابلاغ کے ذرائع ہیں۔

میڈیا کا منفی کردار:

انسانوں کے درمیان انتشار پیدا کرنا، فرقہ واریت کے جذبات کو شہہ دینا، واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرکے عوام کو گمراہ کرنا اور ان کو خلافِ شان حرکتوں پر مجبور کرنا، دوسروں کے محاسن کو بالائے طاق رکھنا اور ان پر دبیز پردے ڈالنے کی کوشش کرنا، نااہل اور نالائق افراد اور جماعتوں کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دینا، معمولی خامیوں اور کمزوریوں کو نمایاں کرکے پیش کرنا، اصل اور مطلوبہ اُمور و مسائل کے بجائے جزئیات اور غیرضروری اُمور پر توجہ مرکوز کرانا___ یہ سب میڈیا کے منفی کردار کے ثبوت ومظاہر ہیں جو آئے دن عینی مشاہدات میں آتے رہتے ہیں۔ حقائق کا نظروں سے اوجھل ہوجانا، اخلاقی قدروں کی پامالی، فتنہ وفساد کا دور دورہ اور انسانیت دشمنی کے کریہہ اور المناک حوادث وواقعات کی ذمہ داری بھی تعصب و جانب داری پر مبنی میڈیا کے سر آتی ہے۔ **میڈیا کا منفی کردار اور معاشرتی انتشار:**

ذرائع ابلاغ کے یہ تمام طریقے انتہائی مذموم ہیں۔ ایک طرف فحاشی و عریانیت، انسانی قدروں کی پامالی اور اخلاق سوز حرکتیں، انسانی معاشرے میں ان مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے جاری و ساری ہوجاتی ہیں اور دوسری طرف امن و چین سے معاشرہ محروم ہوجاتا ہے۔ عزت و آبرو داؤ پر لگ جاتی ہیں اور ان کی سرگرمِ عمل کے نتیجے میں بہت سے افراد اور جماعتیں بھی ان بُرائیوں کی نقیب بن کر میدانِ عمل میں آجاتی ہیں۔

لیکن آج دنیا کا ہر باضمیر، حسّاس اور باشعور شخص اپنی عزت وآبرو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو آخر دوسروں کے حق میں اس فکر کو جلا کیوں کر نہیں ملتی۔ یقیناً آج ہتک عزت کا قانون جمہوری حکومتوں میں رائج ہے اور اس کے مطابق کم وبیش فیصلے بھی ہوتے ہیں اور بسااوقات عدلیہ کی طرف

سے راحتیں بھی ملتی ہیں۔لیکن ذرائع ابلاغ جو بسا اوقات حقائق ومعارف کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، انسانوں کی عزت کو داؤ پر لگا دیتے ہیں، فتنہ وفساد کو فروغ دیتے ہیں، یہاں تک کہ قتل وخوں ریزی تک نوبت آجاتی ہے اور ملک وقوم کی امن وآشتی مخدوش وپُرخطر بن جاتی ہے، آخر ان کے اس حد تک بے لگام ہونے کے کیا معنی ہیں؟ کیوں نہیں ان کے لیے حدود متعین کی جاتیں اور ایک حد تک انھیں پابند کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر ایسا ہو تو ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے والے افراد واشخاص بہت حد تک محتاط وہوشیار رہیں گے۔انھیں افراد اور جماعتوں کی عزت وآبرو کا بھی خیال ہوگا اور ملک وقوم کی سلامتی کے لیے بھی فکر مند ہوں گے۔کم از کم اس قسم کی کارروائی کے ذریعے افواہوں کو ہوا دے کر معاشرے کا ماحول مکدر کرنے سے یقینی طور پر ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران گریزاں ہوں گے اور بالآخر بڑی حد تک میڈیا میں شفافیت آئے گی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ذرائع اطلاعات ونشریات پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ عدلیہ ہی اس سلسلے میں تعزیرات کے نفاذ کے ذریعے مؤثر اور قابلِ ستائش رول ادا کرسکتی ہے، کیوں کہ ذرائع وسائل نشریات بالعموم حکومت وقت کے اشارہ ابرو پر سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تعصب:

آج قومی اور بین الاقوامی میڈیا کا مرکز توجہ اسلام اور مسلمان ہیں۔ بین الاقوامی میڈیا پر اپنا تسلط جمانے والے اصحابِ حل وعقد آج اس مشن میں محو ومستغرق ہیں کہ صحیح اسلام کو دنیا سے نیست ونابود کردیا جائے، اور ایسے اسلام کو باقی رکھا جائے جو دنیا میں بے حس وحرکت اور معذور ومجبور بن کر رہے۔ جن کے نام لیوا زندہ تو رہیں لیکن انسداد شر وفتنہ، قیامِ امن، خدا کے گھر میں خدا کے قانون کے نفاذ اور صرف اور صرف ایک خدا کی خدائی کے علَم بردار بن کر وہ دوسرے مذاہب واقوام کے علی الرغم اپنی سمتِ سفر متعین نہ کریں۔میڈیا جہاں ملک و قوم اور افراد ومعاشرے کی زندگی کے دوسرے گوشوں میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے، ان میں سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ ایک مخصوص مذہب کے خلاف انھیں استعمال کیا جارہا ہے۔ اسلام جو عالم گیر بھائی چارگی کا تصور دیتا ہے، تمام معبودانِ باطل سے متنفر کرا کے خدائے واحد کی عبودیت کا تاج سر پر رکھتا ہے، انسان کو اشرف واکرم کا اعزاز بخشتا ہے، تسخیر کائنات کا پروانہ سونپتا ہے اور ایک انسان کے قتل ناحق کو ساری انسانیت کے قتل ناحق کے مترادف قرار دیتا ہے۔ ایسے آفاقی اور انسانیت نواز مذہب کے رُخ زیبا کو انتہا پسندی، خوں خواری اور دہشت گردی جیسے الفاظ سے داغ دار کیا جارہا ہے۔پوری دنیا اللہ رب العزت کی اس بیش قیمتی نعمت اور انسانیت نوازی کے سب سے بڑے نقیب مذہبِ اسلام کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے سعی میں مصروف ہے۔ اسلام انسانیت کا عظیم ترین نجات دہندہ ہے اور انسانوں کے مابین اخوت ومحبت، رحمت ورافت اور ہمدردی و بشر دوستی کی تعلیمات کا سب سے بڑا علَم بردار ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ تمام بندگانِ خدا کے لیے بھیجے گئے ہدایت نامہ قرآنِ مجید کی بنیادی تعلیمات کو اگر ایک شخص تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھے تو اس کے سامنے اس دعویٰ کی صداقت آشکار ہوجاتی ہے۔توحید کی تعلیم دراصل ایک خدا کو ماننے اور اسی کا تابع فرمان ہوکر رہنے کی تعلیم ہے۔

اگر اسلام کو انسانیت کا دشمن قرار دیا جائے اور اس دین ومذہب کو خونخواری سے منسوب کیا جائے تو اس سے بڑی بد دیانتی اور بے حیائی کیا ہوسکتی ہے۔لیکن یہ سچ ہے کہ آج بین الاقوامی سطح پر اسلام کی شبیہہ بگاڑنے کی سعیِ نامشکور کی جارہی ہے۔اسلام کو انتہا پسندی، خونخواری اور دہشت گردی سے منسوب کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کو امن وآشتی کا دشمن اور دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے۔میڈیا کے نزدیک جو جتنا صحیح العقیدہ اور پختہ مسلمان ہے وہ اتنا ہی بڑا دہشت گرد ہے اور جو مصالحت، مفاد پرستی اور ابن الوقتی کا ثبوت دے کر وقتاً فوقتاً اپنے موقف کو بدلتا رہتا ہے وہ پسندیدہ اور محبوب ہے اور اسے سیکولر ہونے کا تمغا دیا جاتا ہے۔

حقائق کی نفی لغویات کو فروغ:

عام طور پر ذرائع ابلاغ کا یہ منفی پہلو

بھی سامنے آتا ہے کہ واقعات کو من وعن بیان کرنے کے بجائے حذف واضافہ اور قطع وبُرید کے ذریعے خبروں کو مسخ کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کسی کی تعریف اس حد تک کی جاتی ہے کہ آسمان و زمین کے قلابے ملا دیے جاتے ہیں اور کبھی کسی کی تحقیر و تذلیل پر ذہن آمادہ ہوتا ہے تو اسے ذلت وپستی کے قعرِ عمیق میں گرا دیا جاتا ہے۔ حقائق اور واقعات کو دل نشیں پیرائے بیان میں بیان کرنا قابلِ ستائش ہے لیکن نمک مرچ لگا کر، تصنع اور تکلف کے لبادے میں ملمع کاری کرنا اور تفریحِ طبع کا سامان اس طور پر پیش کرنا کہ حقائق و واقعات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، محض نیک نامی، شہرت اور بازار میں اپنی قیمت منوانے کا سطحی ذریعہ تو بن سکتا ہے لیکن میڈیا کے نام پر یہ کلنک کا ٹیکہ ہیں۔

ضابطہ اخلاق اور گرفت کی ضرورت:

راہنمایانِ ملک اور رؤسائے قوم اگر ایسے افراد کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں اور عدلیہ بھی اگر ان کے ان افعالِ رذیلہ سے بے اعتنائی برتتی ہے، تو ملک وقوم میں امن و آشتی، راست روی، حق گوئی اور حقائق سے آگہی کے لیے فضا ہموار نہیں کی جاسکتی اور ملک وقوم کو معنوی ترقیوں سے ہم کنار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ایسے افراد یا میڈیا بہر حال پُر امن اور خوش حال زندگی کے لیے چیلنج ہیں اور ان سے سخت طریقے سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔ (معاشرے میں) غیر سنجیدہ اور بے ہودہ ذہنیت کے لوگ بھی ہوتے ہیں جو لغو باتوں اور بے حقیقت قصوں کو صداقت اور حقائق پر ترجیح دیتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو بجا طور پر ملامت زدہ ہیں''۔

ذرائع ابلاغ یا وسائل نشریات کی اہمیت عصرِ حاضر میں مسلّم حقیقت کے طور پر تسلیم کر لی گئی ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ جن افراد، جماعتوں اور حکومتوں کے زیرِ سایہ پروان چڑھتے ہیں یا ان پر جن لوگوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے دراصل آج کے دور میں باعزت، طاقت ور اور مؤثر وجود کی حیثیت سے ان کی شناخت ہوتی ہے۔ میڈیا دو دھاری تلوار کی طرح طاقت رکھتا ہے۔ تلوار کا استعمال شر وفساد کا خاتمہ کرنے کے لیے اور امن وآشتی کی پُر بہار فضا قائم کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے اور اس کا استعمال قتل وخوں ریزی کے لیے اور فتنہ و فساد کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ تلوار کس کے ہاتھ میں ہے۔ آیا یہ تلوار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو امن وآشتی کا مفہوم نہیں جانتا، جو انسانی قدروں کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتا اور جو اخلاقی قدروں کی پامالی کو اپنا شیوہ بناتا ہو، یا یہ تلوار ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جس کی سرشت میں عدل وانصاف ہو، امن وآشتی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہو، انسانی اقدار کا پاسباں اور نقیب ہو اور اخلاقیات اس کی ترجیحات میں ہوں۔ اس کے علاوہ راست گوئی، عدل وانصاف اور تحقیق وتمحیص کی بنیاد پر کہی گئی باتیں ہی دراصل علمی دیانت داری کا مظہر ہیں اور یہی چیزیں علاقہ، قوم، ملک بلکہ پوری دنیا میں انسانی قدروں کی افزائش کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ یہی چیزیں خدمتِ قوم بلکہ خدمتِ انسانیت کا حق ادا کرنے کے لیے قوتِ محرکہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سوچ سمجھ کر گفتگو کی جائے، فریب دہی سے باز رہا جائے اور دل خراش کلمات سے گریزاں ہوا جائے۔ اسی طرح قیاس وگمان اور شک وشبہے پر مبنی بات ہلاکت انگیزی کا سبب ہے۔ اس کی بنیاد پر میڈیا ماحول اور معاشرے کو مکدر کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا اور اپنا اثر ورُسوخ کھو دیتا ہے۔ اسی طرح لگائی بجھائی کرنا، نمک مرچ لگا کر باتیں پیش کرنا، تصنع اور تکلف کا لبادہ پہننا اور اُمور ومسائل پر ملمع کاری کرنا، یہ ساری چیزیں صحت مند میڈیا کے خلافِ شان ہیں۔ اس امر میں صداقت ہے کہ اگر میڈیا اپنی ذمہ داری کو بحسن خوبی سمجھے، اپنے اعلیٰ و ارفع مقصد کو مستحضر رکھے، خدمت انسانیت کو اپنا شعار بنائے اور ملک وقوم کے ماحول کو پُر امن بنانے کے موقف پر مصر ہو، تو یقیناً اس کے اہل حل وعقد قابلِ ستائش اور لائقِ مبارک باد ہیں۔ لیکن میڈیا کے یہ مثبت پہلو اسی وقت بامعنی اور با مقصد ہو سکتے ہیں جب کہ، عدل وصدق کو شیوہ حیات بنالیا جائے، قیاس وگمان اور شک وشبہے سے اجتناب کرتے ہوئے استناد کو محبوب رکھا جائے، اور حقائق ومسائل کو من وعن دل نشیں پیرایہ بیان میں واشگاف کر دیا جائے۔

نہ زورِ حیدری رضؓ تجھ میں، نہ استغنائے سلمانی رضؓ

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہے ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے، جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں، نہ استغنائے سلمانیؓ
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم و عرفاں ہے
امید مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

☆ ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہے ایرانی — لہو مجھ کو رلاتی ہے، جوانوں کی تن آسانی

مسلمان نوجوانوں کی تن آسانی اور عیش پسندی کا شکوہ کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ تمہاری یہ عیش کوشی اور آرام طلبی مجھے خون کے آنسو رلاتی ہے۔تمہارے دولت کدہ میں عیش وعشرت کے تمام لوازمات جمع ہیں۔تمہارے محل نما عالیشان حویلیاں کے خوبصورت ڈرائنگ رومز اور عشرت کدوں کو مغربی طرز کے نرم و گداز صوفوں اور ایرانی قالینوں نے مزین کر رکھا ہے۔دنیا میں عیش و راحت کے تمام ممکنہ ذرائع اور اسباب عشرت تمہارے پاس موجود ہیں جن کی وجہ سے تمہارے اندر سخت کوشی اور جانفشانی کے بجائے عیش پسندی اور کمزوری پیدا ہوگئی ہے۔اور یہی المیہ ہے جو مجھے خون کے آنسو رلاتا ہے۔

☆ امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل — نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں، نہ استغنائے سلمانی

معانی: شکوہِ خسروی: شاہانہ شان وشوکت۔ استغناء: بے نیازی، دل کی اسیری، ہر قسم کی احتیاج سے بے رغبتی۔سلمان سے مراد حضرت سلمان فارسیؓ ہیں۔ خسروی: سیاؤش بن کیکاؤس بادشاہ کے بیٹے کا نام، مجازاً ہر بادشاہ کو کہتے ہیں۔

دوسرے شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اگر ملت اسلامیہ کے نوجوانوں میں ''زورحیدری'' یعنی حیدر کرار حضرت علیؓ جیسی طاقت وقوت اور شجاعت وعزیمت اور ''استغنائے سلمانی'' یعنی حضرت سلمان فارسیؓ جیسی دنیاوی مال واسباب سے بے نیازی کی زندگی موجود نہ ہو تو یہ دولت وثروت کیا، شاہانہ شان وشوکت کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔چنانچہ آج امت مسلمہ کے جوانوں کی حالت بالکل ایسی ہے کہ عیش پسندی کے جملہ وسائل وذرائع انہیں دستیاب ہیں، بہت سکون وچین اور عیش کی زندگی بسر ہو رہی ہے، معیار زندگی کو بلند کرنے اور تکاثر فی الاموال کی دوڑ نے انہیں امور دنیا میں اس قدر مصروف ومنہمک کر دیا ہے کہ مجاہدہ وجانفشانی کو وہ ترک کر بیٹھے ہیں اور نتیجہ میں ان کی زندگی سے زور حیدری اور استغنائے سلمانی ختم ہو گیا ہے۔

نظم میں علامہ اقبالؒ ملت کے ان نوجوانوں سے مخاطب ہیں جو اپنی جوانی عیش وآرام کی نذر کر کے اپنے قیمتی اوقات لہو ولعب اور بے مصرف کاموں میں گزار رہے ہیں۔اقبال ایسے ہی نوجوانوں کو ان کا ماضی یاد دلا رہے ہیں کہ تمہاری تاریخ بہادری وجواں مردی سے مزین تھیں۔تمہیں تن آسانی زیب نہیں دیتی بلکہ تمہیں جفاکش ہونا چاہیے اور ضروری ہے کہ حیدر کرارؓ کی سی قوت وجرأت اور سلمان فارسیؓ جیسا استغنا اپنے اندر پیدا کرو کہ یہی عوامل دنیا میں کامیابی وکامرانی کی دلیل ہے۔

☆ نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں کہ پایا میں نے استغناء میں معراجِ مسلمانی

اس شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ ''اے مسلم نوجوان! اگر تم اسلامی زندگی کے نقطۂ کمال تک پہنچنا چاہتے ہو اور دنیا میں عزت و سربلندی کے ساتھ ارتقائی منازل طے کرنے کی آرزو رکھتے ہو تو جان لو کہ مغربی تہذیب کی مصنوعی چکاچوند سے مرعوب ہو کر اسے اختیار کرنے اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ مغربی علوم اور ان کے اقدار و تمدن کی اندھی تقلید سے مسلمان بامِ عروج کو پہنچ سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ مسلمانوں کی اصل معراج تو استغناء میں پوشیدہ ہے۔ واضح رہے کہ استغناء کی صفت اقبال کے کلام اور ان کے افکار میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس کی طرف وہ بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اپنے مخاطب سے اسے اختیار کرنے کا مطالبہ پورے شدومد کے ساتھ کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک دنیا میں باعزت زندگی گزارنے کے لئے استغناء کی صفت سے متصف ہونا بہت ضروری ہے۔

☆ عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

معانی : عقاب: ایک شکاری پرندہ جس کی پرواز بہت بلند ہوتی ہے۔

جب مسلم نوجوان کے اندر یہ احساس اور شعور بیدار ہو جائے کہ اس کی معراج اور کامیابی مغربی تہذیب کی نقالی میں نہیں بلکہ زورِ حیدری اور استغنائے سلمانی میں ہے، تو یہیں سے اس کے پرواز کی بلندی شروع ہو جاتی ہے اور پھر وہ کسی جاہل قوم کی تقلید کے بجائے خود اپنی بنیادوں پر ترقی کے منازل طے کرتا ہے اور اپنی بلند پروازی کے سبب وہ بامِ عروج اور اوجِ ثریا تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی نگاہ ہمیشہ بلند مقاصد پر مرکوز ہوتی ہے۔ چنانچہ شجاعت و عزیمت کی ایک تاریخ رقم کر کے وہ آسمان کی بلندیوں کو سر کر لیتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ رب العزت بندہ مومن کو دیکھنا چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ مردِ مجاہد دشمنوں پر اسی طرح جھپٹنے کا مادہ اور حوصلہ بھی اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے جس طرح عقاب اور شاہین اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں۔

☆ نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

اس شعر میں اقبال نوجوانوں کو حوصلہ مندی کا سبق اور یقین واذعان کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بے شک حالات کتنے ہی ناگفتہ بہ ہوں اور فضا کتنی ہی ناسازگار ہو، اس سے مایوس نہ ہونا۔ کیونکہ اگر تم رحمت ایزدی سے ناامید ہو جاؤ گے تو علم قرآن اور معرفت الٰہی کی نعمتیں تمہیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتیں اور جو چیز انسان کو فرس و حمار سے ممیّز کرتی ہے وہ علم و عرفان ہی تو ہے۔ لہٰذا امید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ جانے دو اور اپنی منزلِ مقصود کا پالینے کے لئے مسلسل جد و جہد کرتے رہو اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔ یہی بندہ مومن کی حقیقی شان اور اس کا کردار ہے۔

☆ نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نوجوانوں کو شاہین سے تشبیہ دیتے ہوئے اقبال آخری نصیحت یہ کرتے ہیں کہ شاہین کسی شاہی محل کے گنبد یا اس کی بروجوں پر آشیانہ نہیں بناتا ہے، یعنی وہ ایسے مقام پر نہیں ٹھہرتا جہاں محض آرام و آسائش ہو بلکہ وہ تو پہاڑوں کی سنگلاخ چٹانوں میں بسیرا کرتا ہے۔ لہٰذا اے مسلم نوجوان! تم بھی چونکہ شاہین کے مانند ہو اس لئے بلند حوصلگی اور جفاکشی تمہارا شعار ہونا چاہئے۔ اگر تم اپنے اندر شانِ استغناء پیدا کرنا چاہتے ہو تو بادشاہوں کی غلامی کے بجائے اپنا رزق اپنی قوت بازو سے حاصل کرو۔

وہی ہو راہ میرے عزم و شوق کی منزل

ام غفران

ایک مرتبہ کا واقعہ ہیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں مال غنیمت میں کچھ غلام آئے رسول اللہ ﷺ ان غلاموں کو صحابہؓ کے درمیان تقسیم کر رہے تھے۔حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں جاؤ تم بھی اپنے لئے کچھ طلب کر لو۔حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے کہنے پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی لیکن وہاں دوسرے صحابہؓ تشریف فرما تھے حضرت فاطمہؓ شرم کی وجہ سے واپس آگئیں اور حضرت علیؓ کو وجہ بتادی۔رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ فاطمہؓ آئی تھی اور واپس چلی گئی تو آپ ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور آنے کی وجہ پوچھی تو حضرت فاطمہؓ کو بتانے میں شرم محسوس ہوئی تب حضرت علیؓ بتانے لگے کہ میں نے ان کو آپکے پاس بھیجا تھا کیونکہ آپ ﷺ کے پاس مالِ غنیمت میں غلام آئے ہوئے تھے فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیس پیس کر گٹھے پڑ گئے ہیں میں نے کہا تم بھی اللہ کے رسول ﷺ سے ایک غلام مانگ لو لیکن فاطمہؓ کو مانگنے میں شرم محسوس ہوئی اور وہ چلی آئیں ۔رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا مجھے ابھی اصحاب صفہ کا خیال ہے انکے درمیان مالِ غنیمت تقسیم کرنا ہے ابھی تم کو کچھ نہیں دے سکتا لیکن میں تم کو غلام سے بھی اچھی چیز بتادیتا ہوں وہ یہ کہ رات کو سونے سے قبل الحمدللہ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے کسی خادم سے بہتر ثابت ہوگا۔

یہی وہ اذکار ہیں جنکو ہم تسبیح فاطمہؓ کے نام سے جانتے ہیں۔یہ واقعہ جس وقت اور جس زمانے کا ہے اسوقت اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے سردار تھے اور فاطمہؓ آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے چہیتی بیٹی اگر رسول اللہ ﷺ فاطمہؓ کو مالِ غنیمت میں آئی ہوئی ایک لونڈی دیتے تو کوئی آپ ﷺ کو کچھ نہیں کہتا وہ کیا وجہ تھی کہ رسول ﷺ نے آپکو ایک باندی دینے سے منع کر دیا؟ وہ کیا وجہ تھی کہ رسول ﷺ اپنی پیاری بیٹی کی تکلیف سن کر بھی خاموش رہے ؟

رسول اللہ ﷺ اسلامی حکومت کے انصاف پسند حکمراں تھے ،کوئی عام حکمراں نہیں تھے کہ بس اپنی جھولی بھر لی باقی کوئی تکلیف میں ہو تو ہمیں کیا معلوم بس اپنا پیٹ بھر لیا باقی عوام میں کوئی بھوکا ہو تو ہمیں کیا خبر۔اصحاب صفہ میں ایسے صحابہؓ شامل تھے جو اپنا گھر بار صرف دین کی خاطر چھوڑ کر آئے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ ایسے لوگوں کی قدر کرنے والے ہیں پھر بھلا رسول اللہ ﷺ یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ فاطمہؓ آرام سے زندگی بسر کرے اور اصحاب صفّہ تکلیف میں رہیں رسول اللہ ﷺ ہر لمحہ اپنے اہل و عیال کی آخرت کی فکر کیا کرتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اہل خانہ آرام و آسائش میں مبتلا ہو جائیں اور آخرت کو بھول جائیں۔رسول اللہ ﷺ خود محنتی اور جفاکش تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے دنیا کے اندر ایک عام انسان کی زندگی گذارنا سادہ زندگی گذارنا اللہ کے رسول ﷺ کا شیوہ تھا۔اللہ کا ذکر کرنے سے فاطمہؓ کا تعلق اللہ سے زیادہ مضبوط ہوگا اس سے بہتر حضرت فاطمہؓ کے لئے اور کیا چیز ہو سکتی تھی کہ اللہ کے دربار میں فاطمہؓ کو اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائے۔

یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ حضرت فاطمہؓ کے ایسے بہت سے واقعات ہیں ایک مرتبہ رسولﷺ کسی غزوہ سے واپس آئے تو فاطمہؓ نے انکے استقبال کے لئے اپنے گھر کے دروازے پر رنگین پردہ لگادیا اور حسنؓ اور حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے رسول اللہ ﷺ اس استقبال سے ناراض ہوگئے،حضرت فاطمہؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ نے دونوں چیزیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچادی کہ یہ میں نے اللہ کی راہ میں دیدی ہیں ۔اللہ کے رسولﷺ خوش ہوگئے اور فاطمہؓ کے لئے جنت میں اعلیٰ مقام کی دعا کی ۔ایک مرتبہ رسولﷺ نے دیکھا کہ فاطمہؓ اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور اس میں اٹھارہ پیوند لگے ہوئے ہیں ،رسولﷺ یہ دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے ۔ایک مرتبہ فاطمہؓ بیمار ہوگئی رسول ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو فاطمہؓ شدید بخار میں مبتلا تھی رسول اللہﷺ نے خیریت پوچھی تو فرمایا ابا جان شدت درد سے بے چین ہوں اور بھوک نے نڈھال کر دیا ہے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے ۔رسول اللہﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے فرمانے لگے فاطمہؓ اگر اللہ سے کچھ طلب کروں تو وہ مجھے ضرور عطا فرماتا لیکن میں دنیا مانگ کر آخرت کو کم نہیں کرنا چاہتا ۔سیدہ فاطمہؓ کا یہ حال ہوتا تھا کہ اکثر دو دو وقت کا فاقہ ہوتا اور بچوں کو گود میں لیے چکی پیستی رہتی۔

یہ تمام واقعات آج کی امت مسلمہ کی ماؤں بہنوں ،بیٹیوں کو کیا تعلیم دیتے ہیں۔ آج ہمارے لباس ہمارے کھانے الحمد للہ بہت وافر مقدار میں ہیں ۔گھروں میں ہر وقت کھانا موجود ہوتا ہے ۔پھر بھی کچھ الگ کی خواہش ہوتی ہے ۔ہمارے والدین ہمارے ناز نخرے اٹھاتے رہتے ہیں ۔دنیا کی ہر چیز ہمارے بھائی ،شوہر،والدین ہم پر نچھاور کرتے ہیں اور اگر نہ کریں تو ہمارا غصہ ہماری ناراضگی ہماری شکایت انتہاء کو پہنچ جاتی ہے ۔کیا ہماری حضرت فاطمہؓ سے کچھ نسبت باقی ہے ۔کیا ہمارے والدین ہماری آخرت کی کچھ فکر کرتے ہیں ،ہم بس ایک جملہ بول کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ اللہ نے دیا ہے تو کھا رہے ہیں ۔ہمارے آرام کے لئے ،ہماری تعلیم میں کوئی خلل نہ ہو گھر میں کام والی رکھ دی جاتی ہے ۔اللہ کے رسولﷺ ہر تکلیف پر سیدہؓ کو صبر کی تلقین کرتے رہتے اور انکو جنت کی خوشخبری سناتے رہتے ۔سیدہ فاطمہؓ ایک فرمانبردار بیٹی اپنے ابو کے رسالت کے مرتبے کو سمجھنے والی انکی ذمہ داریوں میں انکا ساتھ دینے والی بیٹی سیدہؓ وفاشعار بیوی ہیں کبھی شوہر سے کوئی شکوہ نہیں ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے کہا فاطمہؓ تم نے مجھ سے اس چیز کے لئے کہا تھا،تو سیدہؓ کہنے لگی میرے ابو نے مجھے شادی سے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ کسی چیز کا مطالبہ کرکے آپکو شرمندہ نہ کروں ۔سیدہؓ ایک ذمہ دار ماں ہے حسنؓ اور حسینؓ کی تربیت انہوں نے کس طرح انجام دی کہ ایک پورا خاندان جنتی ۔سیدہؓ جنت میں عورتوں کی سردار حضرت علیؓ دنیا ہی میں عشرہ مبشرہ میں شامل حسنؓ اور حسینؓ جنت میں نوجوانوں کے سردار۔

ہمارے مسلم معاشرہ میں کون سی بیٹی ہے جو شادی کے بعد باپ کی فرمانبرداری کرتی ہے شادی ہوتے ہی والدین آزاد ہوجاتے ہیں ۔اور بیٹیاں بھی اپنے آپ کو ماں باپ سے آزاد سمجھتی ہیں۔جب والدین کے گھر آئیں گی ایک نیا مطالبہ ہوگا ورنہ والدین خود آگے رہ کر تحفہ دیتے رہتے ہیں ۔یہ تمام لوازمات ہونے کے بعد بھی کہیں ہم کو معلوم ہے کہ ہم جنت میں جائیں گے ۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جب مسلمان خواتین کو مغفرت اور اجر عظیم کے لئے خطاب فرمایا انکی صفات یہ بتائی ہیں کہ وہ خواتین اللہ کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرنے والیاں ،اللہ کے لئے جھکنے والیں،ہر حال میں سچ بات کرنے والی ،اللہ کی خاطر صبر کرنے والی ،اللہ کی ناراضگی سے ڈرنے والی،اللہ کی راہ میں کھلے اور چھپے خرچ کرنے والی،روزے رکھنے والی،اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی اور اللہ کو ہر دم بہت زیادہ یاد کرنے والی ہوتی ہیں۔ اللہ رب العالمین ہم مسلم خواتین کو ان صفات کو اپنے اندر پروان چڑھانے میں مددفرمائے۔آمین وما توفیق الا باللہ

جھوٹ (Lying)

شیخ عمران

اسلام نے سچ بولنے پر بہت زور دیا ہے۔قرآن میں اللہ نے جھوٹ بولنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ذرا سوچیں اگر ہم راہ چلتے کس کو کہہ دیں گے 'تم پر لعنت ہو'۔تو اس کو کتنا برا محسوس ہوتا ہے، اور نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے۔اور وہ جس پر ہمارا رحیم ربّ لعنت بھیج دے وہ کتنا بدنصیب ہوگا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، اور اللہ تو جو کہتا ہے وہ کر کے دکھاتا ہے۔

ا۔ حدیث میں ہے کہ 'خرابی ہے اس شخص کے لئے جو اپنی بات میں اس غرض سے جھوٹ ملائے کے لوگ ہنسائیں۔

۲۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے بہت بڑے گناہوں سے آگاہ کردوں۔اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور انسان کا خون کرنا۔ آپ ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: سن لو، جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی ان میں شامل ہے اور پھر حضور ﷺ ان الفاظ کو دہراتے رہے۔

۳۔ جھوٹ بولنے والا منافق ہوتا ہے، جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے، حضور ﷺ اس کے لئے جنّت کے وسط میں ایک گھر کے ضامن ہیں۔

ہم اپنا جائزہ لیں، دن میں کتنی مرتبہ گناہ کبیرہ (جھوٹ) کرتے ہیں، اور ذرا سا بھی نادم نہیں ہوتے، بلکہ فخر محسوس کرتے ہیں۔گھروں، اسکولوں، کالجوں میں دوستوں کے ساتھ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر طرف جھوٹ بولا جاتا ہے، اور ہم لوگ سوچتے بھی نہیں کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔حضور ﷺ نے فرمایا: 'جس نے خونی رشتوں کو توڑا وہ کبھی جنّت میں داخل نہیں ہوگا'۔اور ایک دوسرے کی غیبت اور جھوٹ سے ہی تو خونی رشتے ختم ہوتے ہیں۔اور یہ سب کرنے کے باوجود ہم لوگ کہتے ہیں کہ 'ہم مسلمان ہیں اور ہر مسلمان جنّت میں جائیگا'۔ذرا سوچیں جھوٹ بولنا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟ جبکہ اتنے سخت حکم موجود ہیں۔

تو آیئے! آج سچے دل سے توبہ کریں، کیونکہ گناہِ کبیرہ کی معافی کی یہی صورت ہے۔اور عہد کریں کہ جھوٹ بولنے سے اجتناب کریں گے، اللہ توفیق دے۔آمین۔

ترانہ

اس بزم میں توحید کا نقارہ بجادو
ایک ضرب میں سوئی ہوئی بستی کو جگادو
پہنچادو ہر ایک گوشے میں اسلام کا پیغام
او رشرک کے اوہام کی بنیاد ہلادو
مومن ہو جھکو ایک فقط اللہ کے آگے
مسلم ہو سر اسلام کی عظمت پہ کٹادو
سب سے بڑا فرض ہے اس وقت تمہارا
تفرقے جو آپس کے ہیں ہے اس وقت مٹادو
زینت جو مدارس کی ہے اور اس کو بڑھا کر
رونق جو مساجد میں ہے چاند اس کو لگادو
میراث میں تہذیبِ عرب تم کو ملی ہے
آفاق میں دھوم اپنے تمدن کی مچادو
پھر زندہ کرو شیوہ رسولِ عربیؐ کا
باطل کے ابھرتے ہوئے جذبوں کو دبادو
دنیا کو دکھادو کہ ہو تم عزم کے پیکر
رستے میں ہمالیہ ہو تو ٹھوکر سے ہٹادو

حیا ایمان کا جز ہے

شیخ پرویز نادر

''حیاء ایمان کا جز (حصہ) ہے۔یہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کی ایک حدیث ہے۔حیاء شرم و پاکیزگی کو کہتے ہیں اس کے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔آپ ﷺ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی دیواریں تعمیر کی جا رہی تھیں۔بچوں نے تہہ بند اتار کر کندھوں پر رکھ لئے اور پتھر اٹھانے لگے، لیکن آپ ﷺ نے اپنا تہہ بند اور مضبوطی سے باندھ لیا، آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا کہ بچوں کو دیکھو اپنے تہہ بند کندھوں پر رکھ کر کیسے مزے سے پتھر اٹھا رہے ہیں۔تم بھی ایسا ہی کر لو کندھے نہیں دکھیں گے۔چچا کے کہنے سے آپ ﷺ نے ایسا کرنا چاہا تو مارے غیرت کے بے ہوش ہو کر گر گئے۔دیکھا بچوں! ہمارے پیارے رسول ﷺ کتنے پاکباز اور شرم و حیا کے مالک تھے۔

ہماری سرگرمیاں

امراوتی

''بہت روشن ہے مستقبل ہمارا''

اس عنوان سے ایک روزہ تربیتی اجتماع فروری ماہ میں منعقد کیا گیا تھا۔ برادر محمد نصراللہ نے سورہ مومنون کی ابتدائی آیات پر درس قرآن دیا، 'محمدؐ بحیثیت معلم' اس عنوان پر بھی تقریر کی مرکزی موضوع کے تحت برادر جاوید نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، اس اجتماع میں تقریباً ۵۰ طلباء نے شرکت کی تھی

۔

آکولہ

آکولہ ضلع کاروانِ عقاب کا ایک روزہ فیسٹول کھڑکھالی کے مقام پر لیا گیا جس میں آکولہ، آکوٹ، امراوتی، مانا سے تقریباً ۶۰ بچوں نے شرکت کی جس میں مختلف کھیلوں کے پروگرام لیے گئے، مختلف مقامات سے آئیے ہوئے طلباء نے ترانے، نعت، ڈرامے پیش کیے۔ درس قرآن برادر کاشف نے دیا جس میں جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ تھا فیسٹول کا اختتامی زادراہ برادر سید ریحان نے ''اللہ کو کمزور مومن کے مقابلے طاقتور مومن پسند ہے'' اس حدیث کے تحت کی۔

آکولہ

''ہم مسلمان ہیں ایک جسم ایک جان'' اس مرکزی عنوان کے تحت ایک ہفت روزہ مہم کا مقامی سطح پر انعقاد کیا گیا۔ جس میں پوسٹر، فولڈر، اسٹیکر اور ہورڈنگ لگائی گئی۔ شہر کے مختلف محلّہ جات میں کارنر میٹ لے کر اتحاد امت کی اہمیت کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں عوام کے سامنے بیان کیا گیا۔ مہم کا اختتامی پروگرام جلسۂ عام پر ہوا جس میں فیڈریشن آف اسلامک یوتھ FIYO کے قومی کنوینر جناب ڈاکٹر وجیہ القمر دہلی اور جناب شیخ اعجاز صاحب ہنگن گھاٹ اور مقامی مقرر مفتی اشفاق قاسمی صاحب ان حضرات نے انتہائی تفصیلی انداز میں اتحاد امت کے فوائد اور نقصانات عوام کے سامنے پیش کیے۔ یہ مہم ۱۸ مارچ تا ۲۵ مارچ ۲۰۱۶ کے ایام میں منعقد کی گئی تھی۔

ناندیڑ

ناندیڑ ضلع کا دوروزہ تربیتی اجتماع ۶، ۷ فروری ۲۰۱۶ء کو اردھاپور میں رکھا گیا تھا جس میں ناندیڑ، اردھاپور، اونڈھا، پربھنی اور اورنگ آباد کے کارکنان نے شرکت کی۔ اجتماع کا آغاز ایمس کے صدر برادر جمیل احمد کے درس قرآن سے ہوا۔ ضلع انچارج عبدالواحد نے اخلاق حسنہ پر گفتگو کی دیگر مقررین میں ایمس سکریٹری سید ریحان اور نثار احمد خان نے بھی موجود شرکاء کی مختلف تربیتی عناوین کے تحت تفصیلی معلومات فراہم کی۔

ناندیڑ

سیرت نبیؐ کے موقع سے ناندیڑ میں جماعت ہشتم تا ایک از دہم مضمون نویسی کا مقابلہ بعنوان ''ہمارے آئیڈیل محمدؐ'' رکھا گیا تھا جس میں شہر ناندیڑ کے مختلف اسکول اور جونیر کالج کے تقریباً ۴۰۰ طلباء و طالبات نے حصہ لیا۔ مضمون نویسی کے انعامات کی تقسیم ایک جلسۂ عام ۲۶ جنوری ۲۰۱۶ء کو انور گارڈن میں لیا گیا جس میں ایمس کے سکریٹری برادر ریحان نے شرکت کی۔ اور دیگر مقررین کو بھی مدعو کیا گیا تھا، مضمون نویسی میں کامیاب طلباء و طالبات کو انعامات دیئے گئے۔

''دی ویژن''

انگریزی زبان کا دوماہی وال میگزین ہے۔ جو جونیئر اور سنیئر کالج کے طلباء وطالبات کے لئے ہے۔ اس وال میگزین میں طلبا کو اسلامی عقائد، سیرت رسول ﷺ اور دعوتی نکتے نظر سے اسلامی تعلیمات کو روشناس کروایا جاتا ہے۔

آپ کی رائے

آپ کو ہمارا یہ شمارہ کیسا لگا اپنے مفید مشوروں سے ہمیں نوازیں۔ ہم آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔ ہمارا پتہ ہے۔ نقوش راہ پہلا منزلہ بسیرا پارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ ۴۴۴۰۰۱

فون نمبر 0724-2434333

9579487496,7744881055

''النجم الثاقب''

ہائی اسکول کے طلباء و طالبات کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کروانے کی خاطر ایک ماہانہ وال میگزین ''النجم الثاقب'' کی اشاعت عمل میں لائی گئی ہے۔جس میں بچوں کو اسلامی عقائد، سیرت رسول ﷺ، سیرت انبیاءؑ، سیرت صحابہؓ، اسلامیات، اخلاقیات، تاریخ اسلام، مسلم سائنسدان کی خدمات، اقوالِ زرین اس طرح کے مضامین پر مشتمل یہ ماہانہ وال میگزین ناندیڑ سے شائع ہوتا ہے۔ یہ میگزین تقریباً اٹھارہ مقامات پر ہائی اسکولوں میں چسپاں کیا جاتا ہے۔ اس میگزین میں طلباء و طالبات کے مضامین بھی شائع کیے جاتے ہیں۔ اس میں طلبا کو دس سوالات جو اسی میگزین کے مواد میں سے ہوتے ہیں پوچھے جاتے ہیں صحیح جوابات دینے والے کو سند اور انعام سے نوازا جاتا ہے۔

مانا

سیرت نبی ﷺ کے موقع سے کوئز امتحان لیا گیا جس میں طلبا کو پانچ سو، سوالات پر مشتمل ایک کتابچہ دیا گیا جس میں سے طلباء کو سوالات حل کرنے تھے اس کوئز امتحان میں تقریباً 70 طلبا نے شرکت کی۔

دوروزہ تربیتی اجتماع برائے ذمہ داران

ایمس کی جانب سے اپنے کارکنان کی تربیت کے مدنظر ایک دوروزہ تربیتی اجتماع برائے ذمہ داران منعقد کیا گیا جس میں تمام ہی برانچ کے صدر، سکیریٹری اور خازن کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس دوروزہ اجتماع کا آغاز مولوی طفیل ندوی آکولہ، کے درس قرآن سے ہوا۔ جس میں موصوف نے بنی اسرائیل کی تاریخ ان کی شرارتیں، ضد اور نافرمانی کے واقعات بیان کیے اور آیات کی روشنی میں تمام موجود شرکاء کو بنی اسرائیل کی روش سے بچنے اور اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی تلقین کی۔ افتتاحی کلمات مہاراشٹر صدر برادر جمیل احمد نے، اجتماع کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہم ایک ایسی اجتماعیت سے وابسطہ ہیں جو اللہ کی رضا و خوشنودی کی خاطر کام کرتے ہیں۔ FIYO فیڈریشن آف اسلامک یوتھ آرگنائزیشن کے قومی کنوینر محترم ڈاکٹر وجیہ القمر فلاحی صاحب نے اپنے عنوان 'ہماری دعوت کیا' اس موضوع کے تحت شرکاء کی رہنمائی کی۔ انہی موصوف کی دوسری گفتگو جس کا موضوع 'اسلامی قیادت کے اوصاف' پر تفصیلی گفتگو کی۔ برادر شیخ اعجاز نے شعبہ مالیات کے تعلق سے تفصیلات شرکاء کے گوش گذار کی۔ میڈیا کے تعلق سے میڈیا کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مہمان موصوف جناب شریف الحسن صاحب نے آج کے دور میں میڈیا کی اہمیت کی وضاحت کی اور اس کو اپنے لئے کس طرح موثر اور مفید بنایا جائے اس کی طرف رہنمائی بھی کی۔ Civil right of citizen اس عنوان کے تحت ایڈوکیٹ علی رضا خان صاحب نے موجود شرکاء کو ملکی دستور میں ہر شہری کو دیئے گئے اختیارات کی تفصیلات بیان کی۔ برادر ڈاکٹر عابدالرحمٰن نے تحریکی افراد کی تربیت کیسے کریں اس عنوان کے تحت اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا۔ اخیر میں برادر زبیر مرزا کی گفتگو پر اس دوروزہ تربیتی اجتماع کا اختتام عمل میں آیا۔ یہ دوروزہ تربیتی پروگرام 26-27 march 2016 کو آکولہ میں مسجد بلال میں منعقد ہوا تھا۔

پوسد

ربیع الاول کے موقع سے شہر پوسد میں سیرت نبی ﷺ کوئز امتحان منعقد کیا گیا تھا جس میں شہر کے تمام ہائی اسکول سے تقریباً ایک ہزار طلباء و طالبات نے حصہ لیا۔ پانچ سو سوالات پر مشتمل پر کتابچہ دیا گیا تھا جس میں سے سو، سوالات پر مشتمل پرچہ امتحان دینا تھا۔ 23 جنوری 2016 کو ایک جلسۂ عام لے کر اس میں کامیاب طلبا کو انعامات سے نوازا گیا۔ جس میں ایمس کے ذمہ داران کے علاوہ دیگر معززان شہر بھی شامل تھے۔

ہماری سرگرمیاں



امراوتی "بہت روشن ہے مستقبل ہمارا"، ایک روزہ تربیتی اجتماع



آکولہ ضلع کا کاروانِ عقاب فیسٹول "کھڈکھالی"۔



آکولہ مسجد مومن پورہ جلسۂ عام، مہم "ہم مسلمان ہیں ایک جسم ایک جان" کا اختتامی پروگرام



جلسۂ تقسیم انعامات سیرت گوئز امتحان مقابلہ پوسد



نجم الثاقب
Monthly Wall Magazine
Association of Indian Muslim Students

بچوں کا ماہنامہ "النجم الثاقب" وال میگزین، ہائی اسکول کے طلباء کے لئے



جلسۂ عام "عظمت محمد ﷺ" پربھنی


The Vision
AIMS campus bimonthly wall magazine
This Is Not At All A Suicide !!!
EDITOR'S DESK
Seerah
Quran And Science
Hadith
Words of Prophet (PBUH)
The Quran for young hearts

جونیئر اور سینئر کالج کے طلبا کے لئے "دی ویژن" دوماہی انگلش وال میگزین



جلسۂ تقسیم انعامات مضمون نویسی "ہمارے آئیڈیل محمد ﷺ" ناندیڑ




کل ریاستی دوروزہ تربیتی اجتماع برائے ذمہ داران، آکولہ



جلسۂ عام "ناموسِ محمد عربی ﷺ" اورنگ آباد

NUKUSH E RAH

MAHURD02519/2015
April, May,June 2016
Vol:-01 Issue:-01

postal address: **Nukush e rah**

1st Floor oppsite Basera Apartment subhash chowk Akola 444001

Contact : 0724-2434333 9579487496 7744881055